عِلم القرآن

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نعیمی کتب خانہ
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات

مغزِ قرآں روحِ ایماں جانِ دین
ہست حُبِّ رحمتُ للعالمین

قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے والوں اور شوق رکھنے والوں کیلئے

لاجواب کتاب



مُسمّٰی بہ

علم القرآن لترجمۃ الفرقان

تصنیف لطیف

حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب مدظلہ العالی

ناشران
ناشر صاحبزادہ اقتدار احمد خاں

مالک نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

دیباچہ

یہ زمانہ جس پُر خطر دور سے گذر رہا ہے وہ سب پر ظاہر ہے کہیں الحاد و بے دینی کی ہوائیں چل رہی ہیں کہیں دیوبندیت، مرزائیت کی آندھیاں اٹھ رہی ہیں۔ ہر روز نئے نئے فرقے جنم لے رہے ہیں اور ہر فرقہ بغل میں قرآن دبا کر ہی دامِ فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کو دیکھو قرآن سنا سنا کر اپنی سچائی کا اعلان کر رہا ہے۔ جاہل سے جاہل بھی اپنے کو علامۂ زمان سمجھ کر اکابرینِ اسلام بلکہ صحابہ کرام کی ذات بابرکات پر بھی زبانِ طعن دراز کرنے سے نہیں چوکتا۔ اور اپنے مقصد کے لئے قرآن کریم ہی کو پیش کر کے بھولے بھالے عوام مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہے اور ترجمہ قرآن کی آڑ میں بیدینی پھیلا رہا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم سرورِ کائنات نے فرمایا۔ کہ مسلمان کے لئے اس وقت زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس زمانے میں دین سلامت لے گیا (حدیث) مسلمانو! دین اسلام بہت بڑی دولت ہے۔ اس کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے۔ مفسر قرآن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان صاحب قبلہ نے مسلمانوں کو ترجمہ قرآن پڑھنے کے لئے اور فتنے سے بچانے کے لئے یہ کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ تا کہ اس کو پڑھ کر مسلمان صحیح قرآن کی فہم حاصل کر سکیں۔ اس کتاب میں قرآن کی اصطلاحیں قرآن کے قواعد اور قرآنی مسائل اس عمدہ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ کہ جن سے ترجمہ قرآن بہت آسان ہو جاتا ہے۔

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں
مفتی دار العلوم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات و منیجر کتبخانہ



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الطَّاہِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

آج سے پچاس سال پہلے مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا۔ کہ عام مسلمان قرآن کریم کی تلاوت محض ثواب کی غرض سے کرتے تھے۔ اور روزانہ کے ضروری مسائل پاکی پلیدی روزہ نماز کے احکام میں بہت محنت اور کوشش کرتے تھے۔ عام مسلمان قرآن شریف کا ترجمہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ دریا ناپیدا کنار ہے۔ اس میں غوطہ وہی لگائے جو اس کا شناور ہو۔ بے جانے بوجھے دریا میں کودنا جان سے ہاتھ دھونا ہے۔ اور بے علم و فہم کے قرآن شریف کے ترجمہ کو ہاتھ لگانا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔ نیز ہر مسلمان کا خیال تھا کہ قرآن شریف کے ترجمہ کا سوال ہم سے نہ قبر میں ہوگا نہ حشر میں۔ ہم سے سوال عبادات، معاملات کا ہوگا۔ اسے کوشش سے حاصل کرو۔ یہ تو عوام کی روش تھی۔ رہے علمائے کرام اور فضلائے عظام۔ ان کا طریقہ یہ تھا۔ کہ قرآن کریم کے ترجمہ کے لئے قریباً اکیس علوم میں محنت کرتے تھے۔ مثلاً صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع۔ ادب۔ لغت منطق۔ فلسفہ۔ حساب۔ جیومیٹری۔ فقہ تفسیر۔ حدیث۔ کلام۔ جغرافیہ۔ تواریخ اور تصوف۔ اصول وغیرہ وغیرہ۔ ان علوم میں اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کرتے تھے۔ جب نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ان

علوم میں پوری مہارت حاصل کر لیتے ۔ تب قرآن شریف کے ترجمہ کی طرف توجہ کرتے
پھر بھی اتنی احتیاط سے کہ آیات متشابہات کو ہاتھ نہ لگاتے تھے ۔ کیونکہ اس قسم کی
آیتیں رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز و نیاز ہیں ۔ اغیار
کو یار کے معاملہ میں دخل دینا روا نہیں ؎

میانِ طالب و مطلوب رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست!

رہیں آیات محکمات ان کے ترجمہ میں کوشش تو کرتے مگر گذشتہ سارے علوم کا
لحاظ رکھتے ہوئے ، مفسرین و محدثین ، فقہا کے فرمان پر نظر کرتے ہوئے ، پھر بھی
پوری کوشش کرنے کے باوجود قرآن کریم کے سامنے اپنے کو طفلِ مکتب جانتے تھے ۔
اس طریقہ کار کا فائدہ یہ تھا ۔ کہ مسلمان بد مذہبی ، لادینی کا شکار نہ ہوتے تھے ۔ وہ
جانتے بھی نہ تھے کہ قادیانی کس بلا کا نام ہے اور دیوبندی کہاں کا بھوت ہے ۔ غیر مقلدیت
نیچریت کس آفت کو کہتے ہیں ۔ چکڑالوی کس جانور کا نام ہے علماء کے وعظ خوفِ خدا ،
عظمت و ہیبتِ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ، مسائل دینیہ اور علمی معلومات سے
بھرے ہوتے تھے ۔ وعظ سننے والے وعظ سن کر مسائل ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج
طالب علم سبق پڑھ کر تکرار کرتے ہیں ۔ کہ آج مولوی صاحب نے فلاں فلاں مسئلہ بیان فرمایا
ہے ۔ غرضیکہ عجیب نوری زمانہ تھا اور عجب نورانی لوگ تھے
اچانک زمانہ کا رنگ بدلا ۔ ہوا کے رُخ میں تبدیلی ہوئی ۔ بعض نادان دوستوں اور
دوست نما دشمنوں نے عام مسلمانوں میں ترجمہ قرآن کرنے اور سیکھنے کا جذبہ پیدا کیا اور
عوام کو سمجھایا ۔ کہ قرآن عوام ہی کی ہدایت کے لئے آیا ہے ۔ اس کا سمجھنا بہت سہل ہے ۔

ہر شخص اپنی عقل وسمجھ سے ترجمہ کرے اور احکام نکالے اس کے لئے کسی علم ضرورت نہیں۔ عوام میں یہ خیال یہاں تک پھیلایا۔ کہ لوگوں نے قرآن کو معمولی کتاب اور قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو معمولی بشر سمجھ کر قرآن کے ترجمے بے دھڑک شروع کر دیئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا انکار بلکہ اس ذاتِ کریم سے برابری کا دعویٰ شروع کر دیا۔

اب عوام جہلا یہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ خواندہ، ناخواندہ، انگریزی تعلیم یافتہ لغت کی تھوڑی باتیں یاد کر کے بڑے دعوے سے قرآن کا ترجمہ کر رہا ہے اور جو کچھ اس کی ناقص سمجھ میں آتا ہے۔ اُسے وحیٔ الٰہی سمجھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلمانوں میں روزانہ نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو ایک دوسرے کو کافر مشرک، مرتد اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

لطیفہ:۔ ایک اردو سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے دوران تقریر کہا۔ کہ جس کو قرآن کا ترجمہ نہ آتا ہو۔ وہ نماز ہی نہ پڑھے۔ کہ جب عرضی دینے والے کو یہ خبر ہی نہیں کہ درخواست میں کیا لکھا ہے۔ تو درخواست ہی بیکار ہے۔ میں نے کہا۔ کہ پھر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ موجودہ انجیلوں کی طرح قرآن کے اُردو ترجمے اور اُردو خلاصے بنالو۔ اس میں نماز پڑھ لیا کرو۔ رب تعالیٰ اُردو جانتا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

آج ہر بدمذہب ہر شخص کو قرآن کی طرف بلا رہا ہے۔ کہ آؤ میرا دین قرآن سے ثابت ہے۔ اسی پُرفتن زمانہ کی خبر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور ایسے دجالوں کا ذکر سرکار نے فرمایا تھا۔ یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ۔ وہ گمراہ گروہ ہر

ایک کو قرآن کی طرف بلائے گا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر گونگے اندھے ہوکر نہیں گر پڑتے ۔"

کانپور میں ایک بدمذہب پیدا ہوا۔ مسمیٰ عزیز احمد۔ حسرت شاہ جس نے ماہوار رسالہ قیصرہ شریعت جاری کیا۔ اس میں بالالتزام لکھتا تھا۔ کہ سارے نبی پہلے مشرک تھے گنہگار تھے۔ معاذاللہ بدکردار تھے۔ پھر توبہ کرکے اچھے بنے۔ اور حسب ذیل آیات سے دلیل پکڑتا تھا۔ کہ رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ فَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۔ آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی لہٰذا گمراہ ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ یعنی رب نے تمہیں گمراہ پایا تو ہدایت دی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند، ستارے، سورج کو اپنا رب کہا یہ شرک ہے۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۔ حضرت آدم و حوا کے بارے میں فرمایا۔ فَجَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ان دونوں نے اپنے بچہ میں رب کا شریک ٹھہرایا، یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ یقیناً زلیخا نے یوسف اور یوسف نے زلیخا کا قصد کر لیا۔ اگر رب کی برہان نہ دیکھتے تو زنا کر بیٹھتے۔ پھر لکھا۔ کہ غیر عورت کو نظر بد سے دیکھنا اور برا ارادہ کرنا کتنا برا کام ہے جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی پر نظر کی اور اوریا کو قتل کروا دیا۔ یہاں تک بکواس کی کہ آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں سے گناہ بھی ایک ہی طرح کا ہوا۔ اور سزا بھی یکساں ملی۔ کہ ابلیس سے کہا گیا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۔ تو جنت سے نکل جا تو مردود ہے۔ آدم علیہ السلام سے کہا گیا۔ قُلْنَا

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا۔ ہم نے کہا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ غرضیکہ دونوں کو دیس نکالے کی سزا دی۔ ہاں پھر آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی اور ابلیس نے توبہ نہ کی۔ میں نے اس مرتد کو بہت سے جوابات دیئے۔ مگر وہ یہ ہی کہتا رہا۔ کہ میں قرآن پیش کر رہا ہوں۔ کسی بزرگ، عالم، صوفی کے قول یا حدیث ماننے کو تیار نہیں۔ آخرکار میں نے اُسے کہا۔ کہ بتا۔ رب تعالیٰ بھی بے عیب ہے کہ نہیں۔ بولا۔ ہاں! وہ بالکل بے عیب ہے۔ میں نے کہا۔ کہ قرآن میں ہے کہ خدا میں عیب بھی ہیں۔ اور خدا چند ہیں۔ خدا کے دادا بھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ؕ کفار نے فریب کیا۔ اور خدا نے فریب کیا۔ خدا اچھا فریب کرنے والا ہے۔ معاذ اللہ اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ یہ خدا کو دھوکا دیتے ہیں اور خدا انہیں دھوکا دیتا ہے۔ دیکھو! دھوکا، فریب وہی نمبر ۱ کے عیب ہیں۔ مگر قرآن میں خدا کے لئے ثابت ہیں اور فرماتا ہے۔ وَتَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا۔ ہمارے رب کا دادا بڑا عالی شان ہے۔ خدا کا دادا ثابت ہوا اور فرماتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ اللہ برکت والا ہے۔ جو تمام خالقوں سے اچھا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ خالق بہت سے ہیں۔ جب ترجمہ لفظی پر ہی معاملہ ہے۔ تو اب رب کے لئے کیا کہے گا۔ تب وہ...... خاموش ہوا۔ ہم نے اس سے جو گفتگو کی۔ وہ اپنی کتاب، قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں لکھدی ہے۔ جو جاء الحق کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہو چکی ہے۔ دیکھا آپ نے ان اندھا دھند ترجموں کا یہ نتیجہ ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور اپنی نبوت کے ثبوت میں قرآن ہی کو پیش کیا۔ کہا۔ کہ قرآن کہتا ہے۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول پیغمبر چنتا رہے گا۔ معلوم ہوا۔ کہ پیغمبر رسول آتے ہی رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ اندھا دھند ترجمے بے ایمانی کی جڑ ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لو۔ جو چاہو بکواس کرو۔ اور قرآن سے ثابت کردو۔ ابھی حال ہی میں ایک کتاب میری نظر سے گذری ہے "جواہر القرآن" جو کسی ملحد غلام اللہ خاں (اللہ کے غلام) نے لکھی ہے۔ اس میں بھی اندھا دھند ترجمہ کیا گیا ہے۔ بتوں کی آیات پیغمبروں پر کفار کی آیتیں مسلمانوں پر بے دھڑک چسپاں کر کے مصنّف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دنیا بھر کے علماء، صوفیاء مومنین اور صالحین مشرک تھے۔ اور مسلمان موحّد صرف میں ہی ہوں۔ یا میری ذرّیت۔ بخاری شریف جلد دوم میں باب باندھا ہے۔ بَابُ الْخَوَارِجِ وَالْمُلْحِدِیْنَ۔ خارجیوں اور بے دینوں کا باب۔ وہاں ترجمہ باب میں فرمایا وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَرَاھُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰہِ وَقَالَ اِنَّھُمْ اِنْطَلَقُوْا اِلٰی اٰیَاتٍ نَزَلَتْ فِی الْکُفَّارِ فَجَعَلُوْھَا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان خارجی ملحدوں کو اللہ کی مخلوق میں بدتر سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان بے دینوں نے اُن آیتوں کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کیا۔ یہ ہی طریقہ اس ملحد نے اختیار کیا ہے۔ غرضیکہ ترجمہ قرآن بے دھڑک کرنا ہی ایسی بڑی بیماری ہے۔ جس کا انجام ایمان کا صفایا ہے۔

ترجمہ قرآن میں دشواریاں

قرآن شریف عربی زبان میں اترا۔ عربی زبان نہایت گہری زبان ہے۔ اولاً تو عربی زبان میں ایک لفظ کے کئی معنے آتے ہیں۔ جیسے لفظ "ولی" کہ اس کے معنی ہیں۔ دوست

قریب۲ - مددگار۳ - معبود۴ - بادشاہ۵ - وارث۶ - والی - اور یہ لفظ ہر معنے میں استعمال ہوا ہے۔
اب اگر ایک مقام کے معنی دوسرے مقام پر جڑ دیئے جائیں - تو بہت جگہ کفر لازم
آجاوے گا۔ پھر ایک ہی لفظ ایک معنی میں مختلف لفظوں کے ساتھ مل کر مختلف مضامین
پیدا کرتا ہے - مثلاً شہادت بمعنی گواہی - اگر علیٰ کے ساتھ آئے - تو خلاف گواہی بتاتا ہے۔
اور اگر لام کے ساتھ آئے - تو موافق گواہی کے معنی دیتا ہے - لفظ قال بمعنی کہا - اگر لام
کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس سے کہا - اگر فی کے ساتھ آوے - تو معنی ہونگے
اس کے بارے میں کہا - اگر عن کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے اس کی طرف سے کہا -
ایسے ہی دعا، کہ قرآن میں اس کے معنی پکارنا، بلانا، مانگنا اور پوجنا ہیں - جب
مانگنے اور دعا کرنے کے معنی میں ہو تو اگر لام کے ساتھ آوے گا - تو اس کے معنی ہوں گے -
اسے دعا دی - اور جب علیٰ کے ساتھ آوے تو معنی ہوں گے - اُسے بد دعا دی -

اسی طرح عربی میں لام، من، عن، ب - سب کے معنی ہیں سے - لیکن ان کے
موقع استعمال علیحدہ ہیں - اگر اس کا فرق نہ کیا جائے - تو معنی فاسد ہو جاتے
ہیں - پھر محاورہ عرب فصاحت و بلاغت وغیرہ سب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے - اور
ظاہر ہے کہ علم کامل کے بغیر یہ نہیں ہو سکتا - اور جب عوام کے ہاتھ یہ کام پہنچ جائے -
تو جو کچھ ترجمہ کا حشر ہوگا - وہ ظاہر ہے - اس لئے آج اس ترجمہ کی برکت سے مسلمانوں
میں بہت فرقے بن گئے ہیں - یہ مترجم حضرات اس حد تک پہنچ گئے ہیں - کہ جو ان کے کئے
ہوئے ترجمہ کو نہ مانے - اسے مشرک مرتد، کافر کہہ دیتے ہیں - تمام علماء و صلحاء کو کافر
سمجھ کر اسلام کو صرف اپنے میں محدود سمجھنے لگے ہیں - چنانچہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب
نے اپنی کتاب، جواہر القرآن کے صفحہ ۱۴۱، ۱۴۳ پر لکھا - کہ جو کوئی نبی، ولی، پیر، فقیر کو معبود

ہیں پکارے۔ وہ کافر مشرک ہے۔ اس کا کوئی نکاح نہیں اور صفحہ ۵۲ اپر تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس قسم کی نذر نیاز شرک ہے اس کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے۔ اس فتویٰ سے سارے مسلمان بلکہ خود دیوبندیوں کے اکابر مشرک ہو گئے۔ بلکہ خود مصنف صاحب کی بھی خیر نہیں۔ وہ بھی اس کی زد سے نہیں بچے۔ چنانچہ یہاں گجرات سے ایک صاحب نے تحریری استفتاء مولوی غلام اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بذریعہ جوابی ڈاک بھیجا۔ جس میں سوال کیا۔ کہ آپ نے اپنی کتاب "جواہر القرآن" کے صفحات مذکورہ پر لکھا ہے۔ کہ پیروں کے پکارنے والے کا نکاح کوئی نہیں اور نذر و نیاز کا کھانا خنزیر کی طرح حرام ہے۔ آپ کے محترم دوست اور دیوبندیوں کے مقتدا عالم عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کے والد مولوی جلال شاہ صاحب ساکن دولتانگر ضلع گجرات اور سنا گیا ہے۔ کہ آپ کے والدین بھی گیارہویں کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔ ختم غوثیہ پڑھتے تھے۔ جس میں یہ شعر موجود ہے ؎

امداد کن امداد کن از بحرِ غم آزاد کن!
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر

جلال شاہ کے عینی گواہ ایک نہیں دو نہیں بہت زیادہ موجود ہیں۔ فرمایا جاوے کہ ان کا نکاح ٹوٹا تھا یا نہیں۔ اور اگر نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ تو آپ . . . کے کیسے ہوئے کیونکہ آپ اس ٹوٹتے ہوئے نکاح کی اولاد ہیں۔ نیز گیارہویں کا کھانا جب خنزیر کی طرح حرام ہوا۔ تو جو کوئی اسے حلال جانے۔ وہ مرتد ہوا۔ اور مرتد کا نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔ تو آپ دونوں بزرگوں کے والد صاحبان اُسے حلال جان کر کھاتے کھلاتے تھے۔ اب آپ کے . . . ہونے کی کیا صورت ہے۔ بصورت دیگر آپ دونوں

بزرگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔ اور امید بھی نہیں کہ ملے۔ کیونکہ عربی کا مقولہ ہے۔ مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْهِ وَقَعَ فِیْهِ۔ جو دوسرے کے گرنے کو گڑھا کھودتا ہے۔ خود اس میں گرتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے نکاح تو بعد میں ٹوٹیں گے۔ پہلے اپنے والدین کے نکاح کی خبر لیں۔ کوئی صاحب ان بزرگوں سے اس معمہ کو حل کرادیں۔ اور اس کا جواب دلوادیں۔ ہم مشکور ہوں گے۔

غرضکہ بے دھڑک ترجمے بڑی خرابیوں کی جڑ ہیں۔ اس سے قادیانی، نیچری، چکڑالوی غیر مقلد، وہابی، دیوبندی، مودودی، بابی، بہائی وغیرہ فرقے بنے۔ ان سب فرقوں کی جڑ خود ساختہ ترجمے ہیں۔ اس بدتر حالت کو دیکھتے ہوئے میرے محترم دوست حضرت سیّد الحاج محمد معصوم شاہ صاحب قبلہ قادری جیلانی نے بارہا فرمائش کی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے۔ جو موجودہ ترجمہ قرآن پڑھنے والوں کے لئے رہبر کا کام دے۔ جس میں ایسے قواعد و اصطلاحات اور مسائل بیان کردیئے جائیں۔ جن کے مطالعہ سے ترجمہ پڑھنے والا دھوکا نہ کھائے۔ چونکہ یہ کام بڑا تھا۔ اور میں کثرت مشاغل کیوجہ سے بالکل فارغ نہ تھا۔ اس لئے اس کام میں دیر لگتی رہی۔ اتفاقاً اس ماہِ رمضان المبارک میں میرے محترم دوست قبلہ قاری الحاج احمد حسن صاحب خطیب عیدگاہ گجرات میرے پاس جواہر القرآن لائے اور فرمایا۔ کہ آپ لوگ آرام کر رہے ہیں۔ اور ملحدین اس طرح مسلمانوں کو ترجمے دکھا کر گمراہ کر رہے ہیں۔ تب میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ میں نے بارگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹکڑے کھائے ہیں۔ انہی کے نام پر پلا ہوں۔ ان کے دروازے کا ادنیٰ چوکیدار ہوں۔ اگر چوکیدار چور کو آتے دیکھکر غفلت سے کام لے۔ تو مجرم ہے۔ اس وقت میرا خاموش رہنا واقعی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پر

بھروسہ کرکے اس طرف توجہ کی ۔ اس کتاب کے تین باب ہوں گے ۔ پہلے باب میں قرآن کریم کی اصطلاحات بیان ہوں گی جس میں بتایا جاوے گا کہ قرآن کریم میں کون کونسا لفظ کس کس جگہ کس کس معنی میں آیا ہے ۔ دوسرے باب میں قواعد قرآنیہ بیان ہوں گے جسمیں ترجمہ قرآن کرنے کے قاعدے عرض کئے جاویں گے ۔ جس سے ترجمہ میں غلطی نہ ہو ۔ تیسرے باب میں کل مسائل قرآنیہ ۔ اس باب میں وہ مسائل بھی بیان ہوں گے جو آجکل مختلف فیہ ہیں ۔ جن مسائل کی وجہ سے دیوبندی ، وہابی ، عام مسلمین کو مشرک و کافر کہتے ہیں انہیں صریح آیات سے ثابت کیا جاوے گا ۔ تاکہ پتہ لگے کہ یہ مسائل قرآن میں صراحۃً موجود ہیں ۔ اور مخالفین غلط ترجمے سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ۔ اس کتاب کا نام علم القرآن لترجمۃ الفرقان رکھتا ہوں اپنے رب کریم سے امید قبولیت ہے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے ۔ وہ مجھ گنہگار کے لئے دعا کرے کہ رب تعالیٰ اُسے میرے گناہوں کا کفارہ اور توشۂ آخرت بنائے ۔ وَمَا تَوْفِيْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات

۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ دوشنبہ مبارکہ — عنایت اللہ کاتب چھنی محرم

مقدّمہ

ترجمہ قرآن سے پہلے اس قاعدے کو یاد رکھنا ضروری ہے۔
آیاتِ قرآنیہ تین طرح کی ہیں۔ بعض وہ جن کا مطلب عقل و فہم سے ورا ہے۔ جس تک دماغوں کی رسائی نہیں۔ انہیں **متشابہات** کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں۔ جن کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے۔ جیسے الٓمٓ، حٰمٓ، الٓرٰ وغیرہ انہیں **مقطعات** کہا جاتا ہے۔ بعض وہ آیات ہیں جن کے معنی تو سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ کیونکہ ظاہری معنی بنتے نہیں۔ جیسے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ط ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ o	تم جدھر منہ کرو اُدھر اللہ کا وجہ (منہ) ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر رب نے عرش پر استوا فرمایا۔

وجہ کے معنی چہرہ۔ ید کے معنی ہاتھ۔ استوا کے معنی برابر ہوتا ہے۔ مگر یہ چیزیں رب کی شان کے لائق نہیں۔ لہٰذا متشابہات میں سے ہیں اس قسم کی آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مطلب بیان کرنا درست نہیں۔ اور دوسری قسم کی آیات کو آیات الصفات کہتے ہیں۔

بعض آیات وہ ہیں۔ جو اس درجہ کی مخفی نہیں۔ انہیں قرآنی اصطلاح میں محکمات

کہتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۚ

رب وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس کی کچھ آیات صفات معنی آرائی ہیں۔ وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری وہ ہیں جنکے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں۔ گمراہی چاہتے اور اس کے معنی ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

ان محکمات میں بعض آیات وہ ہیں۔ جن کے معنی بالکل صاف وصریح ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ فرما دو وہ اللہ ایک ہے" انہیں نصوص قطعیہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض آیات وہ ہیں۔ جن میں نہ تو متشابہات کی سی پوشیدگی ہے۔ کہ ذہن کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے نہ نصوص قطعیہ کی طرح ظہور ہے۔ کہ تامل کرنا ہی نہ پڑے۔ اس قسم کی آیتوں میں تفسیر کی ضرورت ہے۔ بغیر تفسیر کے صرف ترجمہ کبھی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی چار صورتیں ہیں۔ تفسیر قرآن بالقرآن۔ کیونکہ خود قرآن بھی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ پھر تفسیر قرآن بالحدیث۔ کیونکہ قرآن کو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا۔ دوسرا انہیں سمجھ سکتا۔ پھر تفسیر قرآن بالاجماع۔ یعنی علماء کا جس مطلب پر اتفاق ہوا۔ وہی درست ہے۔ پھر تفسیر قرآن باقوال مجتہدین، ان تمام تفسیروں میں پہلی قسم کی تفسیر

بہت مقدم ہے۔ کیونکہ جب خود کلام فرمانے والا رب تعالیٰ ہی اپنے کلام کی تفسیر فرما دے۔ تو اور طرف جانا ہرگز درست نہیں۔ اگر پچاس آیتوں میں ایک مضمون کچھ اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہو۔ اور ایک آیت میں اس کی تفصیل کر دی گئی ہو۔ تو یہ آیت ان پچاس آیتوں کی تفسیر ہوگی۔ اور ان پچاس کا وہی مطلب ہوگا۔ جو اس آیت نے بیان کیا۔ مثال سمجھو رب تعالیٰ نے بہت جگہ اہل کتاب کو مخاطب فرمایا ہے۔ یا انکا ذکر کیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ط	فرما دو کہ اے کتاب والو آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔

اہل کتاب کا ذکر بہت جگہ ہے۔ مگر پتہ یہ نہ لگتا تھا کہ کتاب سے کونسی مرتب مراد ہے۔ اور اہل کتاب کون لوگ ہیں۔ کیونکہ قرآن کو بھی کتاب کہا گیا ہے۔ اور باقی تمام انسانی اور رحمانی کتابوں کو بھی کتاب کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن سے اس کی تفسیر پوچھی۔ تو خود قرآن نے فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔	اور وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے۔

اس آیت نے ان تمام آیتوں کی تفسیر فرما دی اور بتا دیا کہ اہل کتاب نہ ہندو سکھ ہیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہی نہیں۔ نہ مسلمان مراد ہیں۔ کیونکہ اس کتاب سے پہلی آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ صرف عیسائی، یہودی، یعنی انجیل و توریت کے ماننے والے مراد ہیں۔

اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ صراط مستقیم یعنی سیدھے راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔	یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسکی پیروی کرو۔ دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔

مگر ان آیات میں نہ بتایا۔ کہ سیدھا راستہ کونسا ہے۔ ہم نے قرآن سے پوچھا تو اس نے اس کی تفسیر کی۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ط	ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

اس آیت نے بتایا۔ کہ قرآن میں جہاں کہیں سیدھا راستہ بولا گیا ہے۔ اس سے وہ دین اور وہ مذہب مراد ہے۔ جو اولیاء اللہ علمائے دین، صالحین کا مذہب ہو یعنی مذہب اہل سنت۔ نئے دین و مذہب ٹیڑھے راستہ ہیں۔ اگرچہ اس مذہب کے بانی سارا قرآن ہی پڑھ کر ثابت کریں۔ کہ یہ مذہب سچا ہے۔ جیسے قادیانی، دیوبندی، شیعہ وغیرہ۔ اسی طرح قرآن شریف نے جگہ جگہ غیر اللہ کو پکارنے سے منع فرمایا۔ اور پکارنے والے پر کفر و شرک کا فتوے دیا۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ	اور خدا کے سوا کسی ایسے کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان۔ پھر اگر تم نے ایسا کیا تو تم ظالموں میں سے ہو گے۔ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے۔ جو غیر خدا کو پکارتے ہیں۔ اور غائب ہو گئے ان سے وہ جنہیں

مِنْ قَبْلُ۔ وَالَّذِیْنَ اِلَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ہ	پہلے یہ پکارتے تھے۔ تم خدا کے سوا جسے پکارتے ہو وہ چھلکے کے بھی مالک نہیں ؛

اس قسم کی بیسیوں آیات ہیں۔ جن میں غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا گیا۔ بلکہ پکارنیوالوں کو مشرک کہا گیا۔ اگر ان آیتوں کو مطلق رکھا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ حاضر، غائب، زندہ، مردہ، کسی کو نہ پکارو۔ لیکن یہ معنی خود قرآن کی دوسری آیات کے بھی خلاف ہیں۔ اور عقل کے بھی۔ خود قرآن کریم نے فرمایا۔

۱ اُدْعُوْا ھُمْ لِاٰبَآءِ ھِمْ	انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو
۲ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْاکُمْ فِیْ اُخْرٰکُمْ ثُمَّ ادْعُھُنَّ	اور رسول تم کو پچھلی جماعت میں پکارتے تھے اے ابراہیم پھر ان ذبح کئے ہوئے مردہ جانوروں
۳ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا۔	کو پکارو۔ وہ تم تک دوڑتے آئیں گے۔

اس قسم کی بیسیوں آیتیں ہیں۔ جن میں زندوں اور مردوں کے پکارنے کا ذکر ہے۔ نیز ہم دن رات ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ نماز میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر سلام عرض کرتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔	اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

لہٰذا ضرورت پڑی کہ ہم قرآن شریف سے ہی پوچھیں۔ کہ ممانعت کی آیتوں میں پکارنے سے کیا مراد ہے۔ تو قرآن شریف نے اس کی تفسیر یوں فرمائی۔

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا	اور جو کوئی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے۔ جس کی کوئی دلیل اُس کے

حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ | پاس نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے
۲ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؕ | پاس ہوگا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

ان آیتوں نے بتایا۔ کہ جن آیتوں میں غیر خدا کو پکارنے سے روکا گیا ہے۔ وہاں اُسے خدا سمجھ کر پکارنا یا اللہ کے ساتھ ملا کر پکارنا مراد ہے۔ یعنی پوجنا۔ لہذا ان آیتوں کی تفسیر سے تمام ممانعت کی آیتوں کا یہ مطلب ہوگا۔ اس تفسیر سے مطلب ایسا صاف ہوگیا۔ کہ کسی قسم کا کوئی اعتراض پڑ سکتا ہی نہیں نیز فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱ آیت ۴)

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا انہیں پکارے جو اس کی قیامت تک نہ سنے اور انہیں اس کی پکار (پوجا) کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا۔ تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔"

اس آیت میں صاف طور پر پکارنے کو عبادت فرمایا کہ قیامت میں یہ بت اُن مشرکوں کی عبادت یعنی اس پکار کے منکر ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا۔ کہ پکارنے سے وہ ہی پکارنا مراد ہے جو عبادت ہے۔ یعنی الٰہ سمجھ کر پکارنا۔ اس لئے عام مفسرین ممانعت کی آیات میں دعا کے معنی پوجا کرتے ہیں۔ جن وہابیوں نے ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی پکار کئے اور پھر بات بنانے کے لئے اپنے گھر سے قیدیں لگائیں۔ کہ پکارنے سے مراد ہے دور سے پکارنا۔ مافوق الاسباب پکار سننے کے عقیدے سے پکارنا۔ یا مردوں کو پکارنا بالکل غلط ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ یہ قیدیں قرآن نے کہیں نہیں لگائیں۔ دوسرے

اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآنی تفسیر کے خلاف ہے۔ تیسرے اس لئے کہ انبیاء کرام صحابہ عظام نے مردہ کو بھی پکارا ہے۔ اور دور سے سینکڑوں میل پکارا ہے۔ اور وہ پکار سُنی گئی ہے۔ جیسا کہ باب مسائل قرآنیہ میں بیان ہوگا۔ لہٰذا یہ تفسیر باطل ہے۔

تفسیر قرآن بالقرآن کی اور مثال سمجھو۔ کہ رب تعالیٰ نے جگہ جگہ خدا کے سوا کو ولی ماننے سے منع فرمایا۔ بلکہ فرمایا۔ کہ جو کوئی غیر خدا کو ولی بنائے۔ وہ گمراہ ہے۔ کافر ہے۔ مشرک ہے۔ فرماتا ہے۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ

(پ ۲۰ سورہ عنکبوت ۵۶ آیت ۴۱)

تمہارا خدا کے سوا نہ کوئی ولی ہے اور نہ مددگار۔ ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور ولی بنائے۔ مکڑی کی سی ہے جس نے جالا بنا اور بیشک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔

پھر فرماتا ہے:۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝

تو کیا سمجھ رکھا ہے ان کافروں نے جنہوں نے میرے بندوں کو میرے سوا ولی بنایا۔ ہم نے کافروں کے لئے آگ تیار کی ہوئی ہے۔

اس قسم کی بیشمار آیتیں ہیں۔ ولی کے معنی دوست بھی ہیں۔ اور مددگار بھی۔ مالک بھی وغیرہ۔ اگر ان آیات میں ولی کے معنی مددگار کئے جائیں۔ اور کہا جائے کہ جو خدا

کے سوا کسی کو مددگار سمجھے وہ مشرک اور کافر ہے۔ تو نقل و عقل دونوں کے خلاف ہے۔ نقل کے تو اس لئے کہ خود قرآن میں اللہ کے بندوں کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝

خداوندا ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ولی اور مددگار مقرر فرماوے۔

فرماتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

پس اپنے نبی کا مددگار اللہ اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں"

فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝

تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن بندے ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں"

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

مومن مرد اور مومن عورتیں ان کے بعض بعض کے ولی ہیں"

اس قسم کی بہت آیات ملیں گی۔ عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ دنیا و دین کا قیام ایک دوسرے کی مدد پر ہی ہے۔ اگر امداد باہمی بند ہو جائے۔ تو نہ دنیا آباد ہے نہ دین۔ پھر ایسی ضروری چیز کو رب شرک کیسے فرما سکتا ہے۔ آؤ اب اس ممانعت کی تفسیر قرآن کریم سے پوچھیں۔ جب قرآن کریم کی تحقیق کی۔ تو پتہ لگا۔ کہ کسی کو ولی ماننا چار طرح کا ہے۔ جن میں سے تین قسم کا ولی ماننا تو کفر و شرک ہے۔ اور

چوتھی قسم کا ولی ماننا عین ایمان ہے۔

(۱) رب تعالیٰ کو کمزور جان کر کسی اور کو مددگار ماننا یعنی رب ہماری مدد نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا فلاں مددگار ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ؕ پ سورہ بنی اسرائیل آیت	اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی کمزوری کی بنا پر اور اس کی بڑائی بولو۔

(۲) خدا کے مقابل کسی کو مددگار جاننا یعنی رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے۔ اور وہ ولی بچالے، فرماتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ	یہ کفار خدا کو عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی مددگار ہے۔"

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَلَآ إِنَّ الظّٰلِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ۝	خبردار! کفار ہمیشہ کے عذاب میں ہیں۔"

رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَآءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ط	اور ان کا کوئی ولی نہ ہوگا۔ جو اللہ کے مقابل ان کی مدد کرے۔

پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ رکوع ۵ آیت ۴۴

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِّنَ	فرمادو۔ کہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے

اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ٥ پ ۲۱ سورہ احزاب رکوع ۱۷	بچائے۔ اگر وہ تمہارا برا چاہے۔ یا تم پر مہر فرمانا چاہے۔ اور وہ اللہ کے مقابل کوئی ولی نہ پائیں گے۔ اور نہ کوئی مددگار"

رب تعالیٰ فرماتا ہے "

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ٥	اور جس پر خدا لعنت کردے۔ اس کا مددگار کوئی نہیں "

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ۔	جسے اللہ گمراہ کردے۔ اس کے بعد اس کا ولی کوئی نہیں "

ان آیات میں خدا کے مقابل ولی مددگار کا انکار کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی آیات ہیں۔ جن میں ولی کے یہ معنیٰ ہیں۔

(۳) کسی کو مددگار سمجھ کر پوجنا۔ یعنی ولی بمعنی معبود۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔	اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی بنائے کہتے ہیں ہم تو انہیں نہیں پوجتے مگر اسلئے کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کردیں۔
وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ٥	اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ عبادت کا ذکر

ہے۔ یہ تین طرح کا ولی ماننا کفر و شرک ہے اور ایسا ولی ماننے والا مشرک و مرتد ہے۔
چوتھی قسم کا ولی وہ کہ کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اللہ کے حکم سے اسے مددگار مانا جائے۔ اور
اس کی مدد کو رب تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھا جاوے۔ یہ بالکل حق ہے۔ جس کی آیات
ابھی ابھی گذر چکیں۔

ان آیات نے تفسیر کردی۔ کہ ممانعت کی آیات میں پہلی تین قسم کے ولی مراد ہیں۔
اور ثبوت اولیاء کی آیات میں چوتھی قسم کے ولی مراد ہیں۔ سبحان اللہ! اس قرآنی تفسیر
سے کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔ لیکن وہابی جب اس تفسیر سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔
تو اب ولی میں قید لگاتے ہیں۔ کہ مافوق الاسباب کسی کو مددگار ماننا شرک ہے۔ یہ
تفسیر نہایت غلط ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ مافوق الاسباب کی قید ان کے گھر سے لگی
ہے۔ قرآن میں نہیں ہے۔ دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر قرآن کے خلاف ہے۔ جو
ہم نے عرض کی۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے بندے مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں۔ جسکی
آیات باب مسائل قرآنیہ میں عرض ہونگی۔ غرضیکہ یہ تفسیر باطل ہے۔ اور قرآنی تفسیر
بالکل صحیح ہے۔

یہ تفسیر قرآن بالقرآن کی چند مثالیں عرض کیں۔

تفسیر قرآن بالحدیث کی بہت سی مثالیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ — نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ — اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔	گئے۔ جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے۔"

رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۝	لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔"

اس کے علاوہ تمام احکام کی آئتیں تفصیل اور تفسیر چاہتی ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ان کی نہ مکمل تفسیر فرمائی۔ نہ تفصیل نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کے نصاب اور خود زکوٰۃ کی تعداد اور شرائط، روزے کے فرائض و ممنوعات حج کے شرائط و ارکان تفصیلاً نہ بتائے، ان آیات میں ہم حدیث کے محتاج ہوئے۔ اور تمام تفاصیل وہاں سے معلوم کیں۔ غرضیکہ تفصیل طلب آیات میں بغیر تفسیر کے ترجمہ بیفائدہ بلکہ خطرناک ہے۔ اور تفسیر محض اپنی رائے سے نہیں ہو سکتی ہم اپنی اس کتاب میں ترجمہ کرنے کے قواعد، بعض ضروری قرآنی مسائل اور قرآن کریم کی کچھ ضروری اصطلاحیں بیان کریں گے۔ مگر ہر چیز کی تفسیر خود قرآن شریف سے پیش کریں گے اگر تائید میں کوئی حدیث بھی پیش کی جاوے۔ تو اُسے بھی قرآن کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ کیونکہ آجکل اس طرف استدلال کو مسلمان بہت پسند کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ مانوس ہیں۔ ضرورت زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

پہلا باب

اِصطلاحاتِ قرآنیہ

قرآن شریف میں بعض الفاظ کسی خاص معنے میں استعمال فرمائے گئے ہیں۔ کہ اگر اس کے علاوہ ان کے دوسرے معنی کیے جائیں۔ تو قرآن کا مقصد بدل جاتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے۔ ان اصطلاحوں کو بہت یاد رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ترجمہ میں دھوکہ نہ ہو۔

ایمان

ایمان امن سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی امن دینا ہے اصطلاح شریعت میں ایمان عقاید کا نام ہے۔ جن کے اختیار کرنے سے انسان دائمی عذاب سے بچ جاوے۔ جیسے توحید، رسالت، حشر و نشر، فرشتے، جنّت، دوزخ اور تقدیر کو ماننا وغیرہ وغیرہ جس کا کچھ ذکر اس آیت میں ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔

سب مومن اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔

لیکن اصطلاحِ قرآن میں ایمان کی اصل جس پر تمام عقیدوں کا وار و مدار ہے۔ یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو دل سے اپنا حاکم مطلق مانے۔ اپنے کو ان کا غلام تسلیم کرے۔ کہ مومن کے جان، مال، اولاد سب حضور کی ملک ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا سب مخلوق سے زیادہ ادب و احترام کرے۔ اگر اس کو مان لیا۔ تو توحید اور کتب، فرشتے وغیرہ تمام ایمانیات کو مان لیا۔ اور اگر اس کو نہ مانا تو اگرچہ توحید، فرشتے حشر و نشر، جنّت و دوزخ سب کو مانے مگر قرآن کے فتوے سے وہ مومن نہیں۔ بلکہ کافر و مشرک ہے۔ ابلیس پکّا موحد، نمازی، ساجد تھا۔ فرشتے، قیامت، جنت و دوزخ سب کو مانتا تھا۔ مگر رب تعالےٰ نے فرمایا۔ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ شیطان کافروں میں سے ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ نبی کی عظمت کا قائل نہ تھا۔ غرض ایمان کا مدار قرآن کے نزدیک عظمتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہے۔ ان آیات میں یہی اصطلاح استعمال ہوئی۔

۱۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝	اے محبوب، تمہارے رب کی قسم! یہ سارے توحید والے اور دیگر لوگ اس وقت تک مومن نہ ہونگے جبتک کہ تم کو اپنا حاکم نہ مانیں۔ اپنے سارے اختلاف و جھگڑوں میں پھر تمہارے فیصلے سے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں۔ اور رضا و تسلیم اختیار کریں۔

پتہ چلا کہ صرف توحید کا ماننا ایمان نہیں اور تمام چیزوں کا ماننا ایمان نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاکم ماننا ایمان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

۲. وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔	لوگوں میں بعض وہ (منافق) بھی ہیں جو کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر وہ مومن نہیں۔

دیکھو! اکثر منافق یہودی تھے۔ جو خدا کی ذات و صفات اور قیامت وغیرہ کو مانتے تھے۔ مگر انہیں رب نے کافر فرمایا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ کا اور قیامت کا نام تو لیا۔ مگر حضور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا۔ رب نے انہیں مومن نہیں مانا۔ فرماتا ہے۔

۳. اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝	جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

پتہ چلا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط زبانی طور پر معمولی طریقہ سے مان لینے کا دعویٰ کر دینا مومن ہونے کے لئے کافی نہیں۔ انہیں دل سے ماننے کا نام ایمان ہے۔ سبحان اللہ! قول سچا مگر قائل جھوٹا۔ کیونکہ یہاں دل کی گہرائیوں سے دیکھا جاتا ہے۔

ما دروں را بنگریم و حال را
ما بروں را ننگریم و قال را

۴. وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ

اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب)	حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے "۔

اس آیت نے بتایا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے مومن کو اپنی جان کے معاملات کا بھی اختیار نہیں۔ یہ آیت زینب بنت جحش کے نکاح کے بارے میں نازل ہوئی۔ کہ وہ حضرت زید کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار نہ تھیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے حکم سے نکاح ہو گیا۔ ہر مومن حضور علیہ السلام کا غلام اور ہر مومنہ اُن سرکار کی لونڈی ہے۔ یہ ہے حقیقت ایمان!

۵ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ان کی جان سے بھی زیادہ مالک ہیں اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان سے بھی زیادہ ہمارے مالک ہوئے تو ہماری اولاد و مال کے بدرجہ اولیٰ مالک ہیں ۔

۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ٥	اے ایمان والو! اپنی آوازیں ان نبی کی آواز پر اونچی نہ کرو۔ نہ ان کی بارگاہ میں ایسے چیخ کر بولو۔ جیسے بعض بعض کے لئے خطرہ ہے کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو "۔

پتہ چلا کہ ان کی تھوڑی سی بے ادبی کرنے سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور اعمال کی بربادی کفر و ارتداد سے ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔

۷ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ کُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ o لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ ۔	فرمادو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ۔ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔"

جن منافقین کا اس آیت میں ذکر ہے۔ انہوں نے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کا مذاق اڑایا تھا کہ بھلا حضور کب روم پر غالب آسکتے ہیں۔ اس گستاخی کو رب کی آیتوں کی گستاخی قرار دے کر ان کے کفر کا فتوے صادر فرمایا کس نے؟ کسی مولوی نے؟ نہیں! بلکہ خود اللہ جل شانہٗ نے۔

۸ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o	اے ایمان والو! میرے پیغمبر سے راعنا نہ کہا کرو اُنظرنا کہا کرو خوب سن لو اور کافروں کے لیئے دردناک عذاب ہے۔"

اس سے پتہ لگا کہ جو کوئی توہین کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولے۔ جس میں گستاخی کا شائبہ بھی نکلتا ہو۔ وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے (جیسے راعنا)

خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں ہر جگہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا۔ موحد یا نمازی یا مولوی یا فاضل دیوبند کہہ کر نہ پکارا۔ تاکہ پتہ لگے۔ کہ رب تعالےٰ کی تمام نعمتیں ایمان سے ملتی ہیں اور ایمان کی حقیقت وہ ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوئی۔ یعنی غلامی سرکارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ توحید نوٹ کا کاغذ ہے اور نبوت اس کی مہر۔ جیسے نوٹ کی قیمت سرکاری مہر سے ہے۔ اس کے بغیر وہ قیمتی نہیں اسی طرح ایمان کے نوٹ کی قیمت بازارِ قیامت میں جب ہی ہوگی جب

اس پر حضور کے نام کی مہر لگی ہو۔ ان سے منہ موڑ کر توحید کی قیمت کوئی نہیں۔ اسی لئے کلمہ میں حضور علیہ السلام کا نام ہے۔ اور قبر میں توحید کا اقرار کرانے کے بعد حضور کی پہچان ہے۔ خیال رہے کہ حدیث و قرآن میں بھی مسلمانوں کو موحد نہ کہا گیا بلکہ مومن ہی سے خطاب فرمایا۔

اِسلام

اسلام سلم سے بنا جس کے معنی ہیں صلح۔ جنگ کا مقابل۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا — اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تم بھی اس طرف جھک جاؤ۔

لہٰذا اسلام کے معنی ہوئے صلح کرنا۔ مگر عرف میں اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ قرآن شریف میں یہ لفظ کبھی تو ایمان کے معنی میں آتا ہے اور کبھی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے لئے۔ ان آیات میں اسلام بمعنی ایمان ہے۔

۱۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ — پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

۲۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ — اس رب نے تمہارا نام مسلم رکھا۔

۳۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا — ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی لیکن وہ حنیف ایمان والے تھے۔

۴۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ — فرما دو کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے۔ کہ تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ اگر تم

صٰدِقِیْنَ ○	سچے ہو۔"
۵۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ	مجھے مومن اٹھا۔ اور صالحوں سے ملا۔
۶۔ وَاِنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○	اور ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم جو اسلام لائے۔ انہوں نے بھلائی تلاش کر لی۔"

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اسلام ایمان کے معنٰی میں ہے۔ لہذا جیسے ایمان کا دار و مدار اُمّت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی پر ہے ایسے ہی اسلام کا مدار بھی اس سرکار کی غلامی پر ہے۔ لہذا حضور کی عظمت کا منکر نہ مومن ہے نہ مسلمان۔ جیسے شیطان نہ مومن ہے نہ مسلم بلکہ کافر و مشرک ہے۔

بعض آیات میں اسلام بمعنی اطاعت آیا ہے۔ جیسے۔

۱۔ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○	اُس اللہ کے فرمانبردار ہیں تمام آسمانوں اور زمینوں کے لوگ ہر ایک اس کا مطیع ہے۔ یعنی تکوینی احکام میں۔

یہاں قانتین نے اَسْلَمَ کی تفسیر کر دی کیونکہ ساری چیزیں رب تعالٰے کی تکوینی امور میں مطیع تو ہیں۔ مگر سب مومن نہیں۔ بعض کافر بھی ہیں۔ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَّمِنْكُمْ كَافِرٌ۔

۲۔ وَلَا تَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔	اے منافقو! یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لے آئے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

منافق مسلم بمعنی مطیع تو تھے مومن نہ تھے۔

۳ے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۚ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ	تو جب دونوں ابراہیم و اسمٰعیل نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ (ذبح کیلئے) اور ہم نے ندا کی اے ابراہیم۔
۴ے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	جب فرمایا ابراہیم سے ان کے رب نے مطیع ہو جاؤ عرض کیا کہ میں اللہ رب العالمین کا فرمانبردار ہوا۔

ان دونوں آخری آیات میں اسلام کے معنی ایمان نہیں بن سکتے۔ کیونکہ انبیاء پیدائشی مومن ہوتے ہیں۔ ان کے ایمان لانے کے کیا معنی؟

ان آیات میں اسلام بمعنی اطاعت ہے۔ پہلی آیت میں تکوینی امور کی اطاعت مراد ہے جیسے بیماری۔ تندرستی، موت، زندگی وغیرہ۔ آخری دوسری دو آیات میں تشریعی احکام کی اطاعت مراد ہے۔ لہٰذا منافق مومن نہ تھے مسلم تھے۔ یعنی مجبوراً اسلامی قوانین کے مطیع ہو گئے تھے۔

تقویٰ

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت استعمال ہوا ہے۔ بلکہ ایمان کے ساتھ تقویٰ کا اکثر حکم آتا ہے۔ تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی۔ اگر اس کا تعلق اللہ تعالٰی یا قیامت کے دن سے ہو۔ تو اس سے ڈرنا مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ رب سے اور قیامت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ جیسے:۔

اے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو!

۲۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا۔	اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کی طرف سے نہ بدلا دے گا۔

اور اگر تقویٰ کے ساتھ آگ یا گناہ کا ذکر ہو۔ تو وہاں تقوٰے سے بچنا مراد ہوگا۔ جیسے۔

۳۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط	اور اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

اگر تقویٰ کے بعد کسی چیز کا ذکر نہ ہو نہ رب تعالےٰ کا، نہ دوزخ کا تو وہاں دونوں معنی یعنی ڈرنا اور بچنا درست ہیں جیسے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ٥	ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس صبر کرو۔ بیشک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کی دو قسمیں ہیں۔ تقوٰے بدن اور تقویٰ دل۔ تقویٰ بدن کا مدار اطاعتِ خدا اور رسول پر ہے۔ فرماتا ہے۔

۱۔ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥	تو جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ان پر نہ خوف ہے نہ وہ غمگین ہونگے۔
۲۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا ٥	ولی اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے۔ اگر اللہ کی اطاعت کروگے تو تمہارے لئے فرق بتادے گا۔

دلی تقویٰ کا دارومدار اس پر ہے۔ کہ اللہ کے پیاروں بلکہ جس چیز کو ان سے نسبت

ہو جاوے اس کی تعظیم وادب دل سے کرے ۔ تبرکات کا بے ادب دلی پرہیزگار نہیں ہو سکتا ۔ فرماتا ہے ۔

۱ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○	جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے ۔ تو یہ دل کی پرہیزگاری سے ہے ۔
۲ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط	اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو اس کیلئے اس کے رب کے ہاں بہتری ہے ۔

یہ بھی قرآن کریم ہی سے پوچھو ۔ کہ شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں کیا چیز ہیں فرماتا ہے :۔

۳ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط	صفا اور مروہ پہاڑ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ تو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ اس پر گناہ نہیں کہ ان پہاڑوں کا طواف کرے

صفا اور مروہ وہ پہاڑ ہیں ۔ جن پر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سات بار چڑھیں اور اتریں ۔ اس اللہ والی کے قدم پڑ جانے کی برکت سے یہ دونوں پہاڑ شعائر اللہ بن گئے ۔ اور تاقیامت حاجیوں پر اس پاک بی بی کی نقل اتارنے میں ان پر چڑھنا اور اترنا سات بار لازم ہو گیا ۔ بزرگوں کے قدم لگ جانے سے وہ چیز شعائر اللہ بن جاتی ہے ۔ فرماتا ہے ۔

۴ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى	تم لوگ مقام ابراہیم کو جاء نماز بناؤ ۔

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے ۔ جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر کی ۔ وہ بھی حضرت خلیل کی برکت سے شعائر اللہ بن گیا ۔ اور اس کی تعظیم ایسی

لازم ہوگئی۔ کہ طواف کے نفل اس کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہوگئے۔
کہ سجدہ میں سر اُس پتھر کے سامنے جھکے۔

جب بزرگوں کے قدم پڑجانے سے صفا مروہ اور مقامِ ابراہیم شعائر اللہ
بن گئے اور قابلِ تعظیم ہوگئے۔ تو قبور انبیاء و اولیاء جن میں یہ حضرات دائمی قیام
فرماہیں۔ یقیناً شعائر اللہ ہیں۔ اور ان کی تعظیم لازم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

۵ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ۔ وَقَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ۝

پس لوگ بولے کہ ان اصحاب کہف پر کوئی عمارت بناؤ۔ انکا رب انہیں خوب جانتا ہے۔ اور وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم توضرور ان پر مسجد بنائیں گے۔

اصحاب کہف کے غار پر جو ان کا آرام گاہ ہے۔ گذشتہ مسلمانوں نے مسجد بنائی۔
اور رب نے ان کے کام پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔ پتہ لگا۔ کہ وہ جگہ شعائر اللہ بن گئی۔
جس کی تعظیم ضروری ہوگئی۔

۶ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۝

اور قربانی کے جانور (ہدی)، ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنائے تمہارے لئے ان میں خیر ہے۔"

جو جانور قربانی کے لئے یا کعبہ معظمہ کے لئے نامزد ہوجائے۔ وہ شعائر اللہ ہے۔
اس کا احترام چاہیئے۔ جیسے قرآن کا جزدان، اور کعبہ کا غلاف اور زمزم کا پانی۔ مکہ
شریف کی زمین۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کو رب یا رب کے پیاروں سے نسبت ہے۔
اس سب کی تعظیم ضروری ہے۔ فرماتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝	میں اس شہر مکہ معظمہ کی قسم فرماتا ہوں حالانکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔
وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝	قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر مکہ شریف کی۔
اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ۔	بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور کہو معافی دے ہم بخش دیں گے۔

طور سینا پہاڑ اور مکہ معظمہ اس لئے عظمت والے بن گئے کہ طور کو کلیم اللہ سے اور مکہ معظمہ کو حبیب اللہ صلوٰۃ علیہما وسلامہٗ سے نسبت ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے پیاروں کی چیزیں شعائر اللہ ہیں۔ جیسے قرآن شریف، خانہ کعبہ، صفا مروہ پہاڑ، مکہ معظمہ، بیت المقدس، طور سینا۔ مقابر اولیاء اللہ وانبیاء کرام، آبِ زمزم وغیرہ اور شعائر اللہ کی تعظیم وتوقیر قرآنی فتوے سے دلی تقویٰ ہے۔ جو کوئی نمازی روزہ دار تو ہو۔ مگر اس کے دل میں تبرکات کی تعظیم نہ ہو۔ وہ دلی پرہیزگار نہیں ان آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوا۔ کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں تقویٰ کا ذکر ہے۔ وہاں یہ تقویٰ دلی یعنے متبرک چیزوں کی تعظیم ضرور مراد ہے۔ یہ آیاتِ کریمہ تقویٰ کی تمام آیات کی تفسیر ہیں۔ جہاں تقویٰ کا ذکر ہو۔ وہاں یہ قید ضروری ہے۔ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى	بیشک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ کے نزدیک پست کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝	ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے ۔

معلوم ہوا ۔ کہ مجلس میں حضور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام تقویٰ ہے ۔ کیونکہ یہ بھی شعائر اللہ ہے اور شعائر اللہ کی حرمت دلی تقویٰ ہے ۔ ایمان جڑ ہے اور تقویٰ اس کی شاخیں ۔ پھل وہی کھا سکتا ہے جو ان دونوں کی حفاظت کرے ۔ اسی طرح بخشش کے پھل اسی کو نصیب ہوں گے جو ایمان اور تقویٰ دونوں کا حامل ہو ۔

کفر

کفر کے معنی چھپانا اور مٹانا ہے ۔ اسی لئے جرم کی شرعی سزا کو کفارہ کہتے ہیں ۔ کہ وہ گناہ کو مٹا دیتا ہے ۔ ایک دوا کا نام کافور ہے ۔ کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتا ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۔	اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ مٹا دیں گے اور تم کو اچھی جگہ میں داخل کریں گے ۔

قرآن شریف میں یہ لفظ چند معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ ناشکری ۔ انکار ۔ اسلام سے نکل جانا ۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے ۔

۱؎ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝	اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ہمارا عذاب سخت ہے ۔
۲؎ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝	میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو ۔
۳؎ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ	فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ۔ کہ تم نے اپنا

وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○

وہ کام کیا جو کیا اور تم ناشکرے تھے ۔

ان آیات میں کفر بمعنی ناشکری ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

۱۔ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی

پس جو کوئی شیطان کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے ۔ اس نے مضبوط گرہ پکڑ لی ۔

۲۔ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا ۔

اس دن تمہارے بعض بعض کا انکار کریں گے ۔ اور بعض بعض پر لعنت کریں گے ۔

۳۔ وَکَانُوْا بِعِبَادَتِہِمْ کٰفِرِیْنَ ○

یہ معبودان باطلہ انکی عبادت کے انکاری ہوجاوینگے ۔

ان تمام آیات میں کفر بمعنی انکار ہے ۔ نہ کہ اسلام سے پھر جانا ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

۱۔ قُلْ یٰاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○

فرمادو کافرو میں تمہارے معبودوں کو نہیں پوجتا ۔

۲۔ فَبُہِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ۔

پس وہ کافر (نمرود) حیران رہ گیا ۔

۳۔ وَالْکٰفِرُوْنَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اور کافر لوگ ظالم ہیں ۔

۴۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (مائدہ)

وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا ۔ اللہ عیسیٰ ابن مریم ہیں ۔

۵۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ

بہانے نہ بناؤ ۔ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوچکے ۔

۶۔ فَمِنْہُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْہُمْ مَّنْ کَفَرَ ۔

ان میں سے بعض ایمان لے آئے بعض کافر رہے ۔

ان جیسی اور بہت سی آیات میں کفر ایمان کا مقابل ہے ۔ جس کے معنی ہیں بے ایمان

ہوجانا۔ اسلام سے نکل جانا۔ اس کفر میں ایمان کے مقابل تمام چیزیں معتبر ہوں گی۔ یعنی جن چیزوں کا ماننا ایمان تھا۔ ان میں سے کسی کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہذا کفر کی صدہا قسمیں ہوں گی۔ خدا کا انکار کفر۔ اس کی توحید کا انکار یعنی شرک۔ یہ بھی کفر۔ اسی طرح فرشتے، دوزخ وجنت، حشر نشر، نماز، روزہ، قرآن کی آیتیں، غرضیکہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں مختلف قسم کے کافروں کی تردید فرمائی گئی ہے۔ جیساکہ ان شاء اللہ تعالےٰ شرک کی بحث میں آوے گا۔

حقیقت کفر: جیسے کہ صدہا چیزوں کے ماننے کا نام ایمان تھا لیکن ان سب کا مدار صرف ایک چیز پر تھا۔ یعنی پیغمبر کو ماننا کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کما حقہٗ مان لیا۔ اس نے سب کچھ مان لیا۔ اسی طرح کفر کا مدار صرف ایک چیز پر ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، ان کی عظمت کا انکار، ان کی شان اعلیٰ کا انکار۔ اصل کفر تو یہ ہے۔ باقی تمام اس کی شاخیں ہیں۔ مثلاً جو رب کی ذات یا صفات کا انکار کرتا ہے۔ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اللہ ایک ہے۔ یہ کہتا ہے کہ دو ہیں۔ اسی طرح نماز روزہ وغیرہ کسی ایک کا انکار درحقیقت حضور کا انکار ہے۔ کہ وہ سرکار فرماتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں فرض ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین ان کی کسی شے کی توہین قرآنی فتوے سے کفر ہے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱؎ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ	اور وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی

هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ	راہ نکالیں یہی لوگ یقیناً کافر ہیں۔
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	کافروں ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔
۳۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یعنی صرف کافر کو دردناک عذاب ہے اور صرف اسے دردناک عذاب ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے۔ لہذا پتہ لگا۔ کہ صرف وہ ہی کافر ہے۔ جو رسول کو ایذا دے اور جو حضور کی عظمت واحترام، خدمت، اطاعت کرے وہ سچا مومن ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝	اور جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور وہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝	کیا انہیں خبر نہیں کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی۔ تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

بلکہ جس اچھے کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا لحاظ نہ ہو بلکہ ان کی مخالفت

ہو وہ کفر بن جاتا ہے۔ اور جس بڑے کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو وہ ایمان بن جاتا ہے۔ مسجد بنانا اچھا کام ہے۔ لیکن منافقین نے جب مسجد ضرار حضور کی مخالفت کرنے کی نیت سے بنائی۔ تو قرآن نے اُسے کفر قرار دیا۔ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ (الآیۃ)	اور وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے اور کفر کے لئے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ ورسول کا مخالف ہے۔

نماز توڑ دینا گناہ ہے۔ لیکن حضور کے بلانے پر نماز توڑنا گناہ نہیں ہے بلکہ عبادت ہے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔	اے ایمان والو! اللہ رسول کا بلاوا قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں۔ اس لئے کہ وہ تمہیں زندگی بخشتے ہیں۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز کرنے اور حضور علیہ السلام کی ادنیٰ گستاخی کرنے کو قرآن نے کفر قرار دیا۔ جس کی آیات ایمان کی بحث میں گزر چکیں۔ شیطان کے پاس عبادات کافی تھیں۔ مگر جب اس نے آدم علیہ السلام کے متعلق کہا کہ

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۔	میں ان سے اچھا ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے اور انہیں مٹی سے پیدا کیا رب نے فرمایا۔ یہاں سے نکل جا۔ تو مردود ہو گیا۔

تو فوراً کافر ہو گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا

کہ جادو کرنے سے پہلے عرض کیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○

عرض کیا کہ اے موسیٰ یا پہلے آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں۔

اس اجازت لینے کے ادب کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انہیں ایک دن میں ایمان، کلیم اللہ کی صحابیت، تقویٰ، صبر، شہادت نصیب ہوئی۔ رب نے فرمایا۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○

جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔

یعنی خود سجدے میں نہیں گرے۔ بلکہ رب کی طرف سے ڈال دیئے گئے۔ کافر کے دل میں حضور کا ادب آجائے تو ان شاء اللہ مومن ہو جائے گا۔ اگر مومن کو بے ادبی کی بیماری ہو جائے۔ تو اس کے ایمان چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی قصور مند تھے۔ مگر بے ادب نہ تھے۔ آخر بخش دیئے گئے۔ قابیل یعنی آدم علیہ السلام کا بیٹا جرم کے ساتھ نبی کا گستاخ بھی تھا۔ لہذا خاتمہ خراب ہوا۔

شرک

شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ یا ساجھا۔ لہذا شریک کے معنی ہیں حصہ دار یا ساجھی۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

کیا ان بتوں کا ان آسمانوں اور زمین میں حصہ ہے۔

۲۔ هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ

کیا تمہارے مملوک غلاموں میں سے

اَیْمَانُکُمْ مِنْ شُرَکَآءَ فِیْمَا رَزَقْنَاکُمْ فَاَنْتُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَھُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔	کوئی شریک ہے اس میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ تم اس میں برابر ہو، ان غلاموں سے تم ایسا ڈرو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو۔
۳۔ رَجُلاً فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشَاکِسُوْنَ وَرَجُلاً سَلَمًا لِّرَجُلٍ ھَلْ یَسْتَوِیَانِ ۝	ایک وہ غلام جسمیں برابر کے چند شریک ہوں اور ایک وہ غلام جو ایک ہی آدمی کا ہو۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟

ان آیتوں میں شرک اور شریک لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی حصّہ، ساجھا اور حصّہ دار و ساجھی۔ لہٰذا شرک کے لغوی معنی ہیں کسی کو خدا کے برابر جاننا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شرک بمعنی کفر ان آیات میں آیا۔

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔	اللہ تعالیٰ اس جرم کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے بخشدے گا۔
۲۔ وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا۔	نکاح نہ کرو مشرکوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آویں۔
۳۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ	مومن غلام مشرک سے اچھّا ہے۔
۴۔ مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ شٰھِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ بِالْکُفْرِ۔	مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اپنے پر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔

ان آیات میں شرک سے مراد ہر کفر ہے۔ کیونکہ کوئی بھی کفر بخشش کے لائق نہیں

اور کسی کافر مرد سے مومنہ عورت کا نکاح جائز نہیں۔ اور ہر مومن ہر کافر سے بہتر ہے خواہ مشرک ہو جیسے ہندو یا کوئی اور جیسے یہودی، پارسی، مجوسی۔

دوسرے معنیٰ کا شرک یعنی کسی کو خدا کے برابر جاننا کفر سے خاص ہے۔ کفر اس سے عام یعنی ہر شرک کفر ہے مگر ہر کفر شرک نہیں۔ جیسے ہر کوا کالا ہے۔ مگر ہر کالا کوا نہیں، ہر سونا پیلا ہے مگر ہر پیلا سونا نہیں۔ لہٰذا دہریہ کافر ہے مشرک نہیں۔ اور ہندو مشرک بھی ہے کافر بھی۔ قرآن شریف میں، شرک اکثر اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے:-

۱۔ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيمَا اٰتٰهُمَا	ان دونوں نے خدا کے برابر کر دیا اس نعمت میں جو رب تعالیٰ نے انہیں دی۔
۲۔ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥	میں تمام برے دینوں سے بیزار ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔
۳۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ٥	بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔
۴۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ٥	ان میں سے بہت سے لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے مگر وہ مشرک ہوتے ہیں۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں شرک اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی کسی کو خدا کے مساوی جاننا۔

شرک کی حقیقت:- شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے۔ یعنی جب تک کسی کو رب کے برابر نہ جانا جائے۔ تب تک شرک نہ ہوگا۔ اسی لئے قیامت میں کفار اپنے بتوں سے کہیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے ۔ کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے ۔"

اس برابر جاننے کی چند صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ کسی کو خدا کا ہم جنس مانا جائے ۔ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے ۔ اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے ۔ چونکہ اولاد باپ کی ملک نہیں ہوتی بلکہ باپ کی ہم جنس اور مساوی ہوتی ہے ۔ لہذا یہ ماننے والا مشرک ہوگا ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

۱؎ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝	یہ لوگ بولے کہ اللہ نے بچے اختیار فرمائے ۔ پاکی ہے اس کے لئے بلکہ یہ اللہ کے عزت والے بندے ہیں ۔
۲؎ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔	یہودی بولے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی بولے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں ۔
۳؎ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ۝	بنا دیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے ٹکڑا بے شک آدمی کھلا ناشکرا ہے ۔
۴؎ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۔	انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں ۔ عورتیں ٹھہرایا ۔ کیا ان کے بناتے وقت یہ حاضر تھے

۵۔ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنَاتٍ وَّاَصْفٰکُمْ بِالْبَنِیْنَ ○	کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں بنالیں اور تمہیں بیٹوں کیساتھ خاص کیا۔
۶۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ وَخَرَقُوْا لَہٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔	اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا اور اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے
۷۔ یُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَسْمِیَۃَ الْاُنْثٰی۔	یہ کفار فرشتوں کا نام عورتوں کا سا رکھتے تھے ؎

ان جیسی بہت سی آیتوں میں اسی قسم کا شرک مراد ہے۔ یعنی کسی کو رب کی اولاد ماننا۔

دوسرے یہ کہ کسی کو رب تعالٰے کی طرح خالق مانا جائے جیسے کہ بعض کفار عرب کا عقیدہ تھا۔ کہ خیر کا خالق اللہ ہے۔ اور شر کا خالق دوسرا رب۔ اب بھی پارسی یہی مانتے ہیں۔ خالق خیر کو یزدان اور خالق شر کو اہرمن کہتے ہیں۔ یہ وہی پرانا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ یا بعض کفار کہتے تھے۔ کہ ہم اپنے بُرے اعمال کے خود خالق ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بُری چیزوں کا پیدا کرنا بُرا ہے۔ لہٰذا اس کا خالق کوئی اور چاہیئے۔ اس قسم کے مشرکوں کی تردید کے لیئے یہ آیات آئیں۔ خیال رہے کہ بعض عیسائی تین خالقوں کے قائل تھے۔ جن میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان تمام کی تردید میں حسب ذیل آیات ہیں:۔

۱۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔	اللہ نے تم کو اور تمہارے سارے اعمال کو پیدا کیا
۲۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی	اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝	مختار ہے۔
۳۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ	اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا۔
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	اللہ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کی درمیان کی چیزوں کو پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔
۴۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔	بے شک کافر ہوگئے وہ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔
۵۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔	بیشک کافر ہوگئے وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے۔
۶۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔	اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں بگڑ جاتے۔
۷۔ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔	یہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پس مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا تم نے کیا پیدا کیا۔

ان جیسی تمام آیتوں میں اسی قسم کے شرک کا ذکر ہے اور انھی کی تردید ہے۔ اگر یہ مشرک غیر خدا کو خالق نہ مانتے ہوتے تو ان سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان معبودوں کی مخلوق دکھاؤ درست نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ خود زمانہ کو مؤثر مانا جائے اور خدا کی ہستی کا انکار کیا جائے۔ جیسا کہ بعض مشرکین عرب کا عقیدہ تھا۔ موجودہ دہریہ انہی کی یادگار ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۔	وہ بولے وہ تو نہیں مگر یہ ہی ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا۔ مگر زمانہ اور انہیں اس کا علم نہیں؛

اس قسم کے دہریوں کی تردید کے لئے تمام وہ آیات ہیں۔ جن میں حکم دیا گیا ہے۔ کہ عالم کی عجائبات میں غور کرو۔ کہ ایسی حکمت والی چیزیں بغیر خالق کے نہیں ہو سکتیں۔

۱۔ اَوَلَمْ يُغْشِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ	ڈھکتا ہے رات سے دن کو اس میں نشانیاں ہیں فکر والوں کے لئے۔
۲۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۔	بیشک آسمان وزمین کی پیدائش اور دن رات کے گھٹنے بڑھنے میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔
۳۔ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝	اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے اور خود تمہاری ذاتوں میں ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں۔
۴۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۔	کیا یہ نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کہ کیسا اونچا کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑا گیا اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی۔

اس قسم کی بیسیوں آیات میں ان دہریوں کی تردید ہے۔

چوتھے یہ عقیدہ کہ خالق ہر چیز کا تو رب ہی ہے۔ مگر وہ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا۔ اب کسی کام کا نہیں رہا۔ اب اس کی خدائی کو چلانے والے یہ ہمارے معبودین باطلہ ہیں۔ اس قسم کے مشرکین عجیب بکواس کرتے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ چھ دن میں آسمان زمین پیدا ہوئے اور ساتواں دن اللہ نے آرام کا رکھا تھکن دور کرنے کو۔ اب بھی وہ آرام ہی کر رہا ہے۔ چنانچہ فرقہ تعطیلیہ اسی قسم کے مشرکوں کی یادگار ہے۔ ان کی تردید ان آیات میں ہے۔

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔

اور بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں بنایا اور ہم کو تھکن نہ آئی۔

۲۔ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے۔ بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔

۳۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى۔

اور کیا ان لوگوں نے غور نہ کیا۔ کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور انہیں پیدا کر کے نہ تھکا۔ وہ قادر اس پر بھی ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔

۴۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

اس قسم کے مشرکوں کی تردید کے لیے اس جیسی کئی آیات ہیں۔ جن میں فرمایا گیا کہ ہم کو عالم کے بنانے میں کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی۔ اس قسم کے مشرک

قیامت کے منکر اس لئے بھی تھے کہ وہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ دنیا پیدا فرما کر حق تعالےٰ کافی تھک چکا ہے۔ اب دوبارہ کیسے بنا سکتا ہے، معاذ اللہ اس لئے فرمایا گیا۔ کہ ہم تو صرف کن سے ہر چیز پیدا فرماتے ہیں تھکن کیسی؟ ہم دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہیں۔ کہ اعادہ سے ایجاد مشکل ہے۔

شرک کی پانچویں قسم۔ یہ عقیدہ ہے۔ کہ ہر ذرہ کا خالق و مالک تو اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ مگر وہ اتنے بڑے عالم کو اکیلا سنبھالنے پر قادر نہیں۔ اس لئے اس نے مجبوراً اپنے بندوں میں سے بعض بندے عالم کے انتظام کے لئے چن لئے ہیں۔ جیسے دنیاوی بادشاہ اور ان کے محکمے۔ اب یہ بندے جنہیں عالم کے انتظام میں دخیل بنایا گیا ہے وہ بندے ہونے کے باوجود رب تعالیٰ پر دھونس رکھتے ہیں۔ کہ اگر ہماری شفاعت کریں۔ تو رب کو مرعوب ہو کر ماننی پڑے۔ اگر چاہیں۔ تو ہماری بگڑی بنادیں۔ ہماری مشکل کشائی کردیں۔ جو وہ کہیں۔ رب تعالیٰ کو ان کی ماننی پڑے۔ ورنہ اس کا عالم بگڑ جاوے جیسے اسمبلی کے ممبر۔ کہ اگرچہ وہ سب بادشاہ کی رعایا تو ہیں۔ مگر ملکی انتظام میں ان کو ایسا دخل ہے۔ کہ ملک ان سب کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ یہ وہ شرک ہے جس میں عرب کے بہت سے مشرکین گرفتار تھے اور اپنے بُت وُدّ۔ یغوث، لات، منات، عزیٰ وغیرہ کو رب کا بندہ مان کر اور سارے عالم کا رب تعالیٰ کو خالق مان کر مشرک تھے۔ اس عقیدے سے کسی کو پکارنا شرک، اس کی شفاعت ماننا شرک، اسے حاجت روا، مشکلکشا ماننا شرک، اس کے سامنے جھکنا شرک، اس کی تعظیم کرنا شرک، غرضیکہ یہ برابری کا عقیدہ رکھ کر اس کے ساتھ جو تعظیم و توقیر کا معاملہ کیا جاوے۔ وہ شرک ہے۔ ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○	ان مشرکین میں سے بہت سے وہ ہیں کہ اللہ پر ایمان نہیں لائے بگر شرک کرتے ہوئے

کہ خدا کو خالق، رازق مانتے ہوئے پھر مشرک ہیں۔ انہی پانچویں قسم کے مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا۔

۱۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ط	اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں۔ کہ کس نے آسمان و زمین پیدا کئے۔ تو وہ کہیں گے اللہ نے، تو فرماؤ۔ کہ کیوں بھولے جاتے ہیں۔
۲۔ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○	فرماؤ کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے قبضے میں ہے۔ جو پناہ دیتا ہے۔ اور پناہ نہیں دیا جاتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو تو کہیں گے۔ اللہ ہی کی ہے کہو پھر کہاں تم پر جادو پڑا جاتا ہے۔
۳۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○	اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے تو کہیں گے کہ انہیں غالب جاننے والے اللہ نے پیدا کیا ہے۔
۴۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○	فرماؤ کس کی ہے زمین اور اس کی چیزیں اگر تم جانتے ہو۔ تو کہیں گے اللہ کی فرماؤ کہ تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے

۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

فرماؤ کہ سات آسمان اور بڑے عرش کا رب کون ہے؟ تو کہیں گے اللہ کا ہے۔ فرماؤ کہ تم ڈرتے کیوں نہیں

۶ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

فرماؤ تمہیں آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے۔ یا کان آنکھ کا کون مالک ہے اور کون زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے۔ تو کہیں گے اللہ فرماؤ! تو تم ڈرتے کیوں نہیں؟

۷ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور کس نے سورج وچاند تابعدار کیا تو کہیں گے اللہ نے تو فرماؤ تم کدھر پھرے جاتے ہو۔

۸ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔

اور اگر آپ ان سے پوچھیں۔ کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا پس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا۔ کہ یہ پانچویں قسم کے مشرک اللہ

تعالیٰ کو سب کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، پناہ دینے والا
عالم کا مدبّر مانتے تھے۔ مگر پھر مشرک تھے یعنی ذات صفات کا اقرار کرنے کے باوجود
مشرک رہے کیوں؟ یہ بھی قرآن سے پوچھئے۔ قرآن فرماتا ہے۔ کہ ان عقائد کے
باوجود وہ دو سبب سے مشرک تھے ایک یہ کہ وہ صرف خدا کو عالم کا مالک نہیں
مانتے تھے۔ بلکہ اللہ کو بھی اور دوسرے اپنے معبودوں کو بھی۔ یہاں لِلّٰہ میں لام
ملکیّت کا ہے۔ یعنی وہ اللہ کی ملکیّت مانتے تھے۔ مگر اکیلے کی نہیں۔ بلکہ ساتھ ہی
دوسرے معبودوں کی بھی۔ اسی لئے وہ یہ نہ کہتے تھے۔ کہ ملکیّت و قبضہ صرف اللہ کا
ہے، اوروں کا نہیں۔ بلکہ وہ کہتے تھے۔ اللہ کا بھی ہے اور دوسروں کا بھی۔ دوسرے
اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ اللہ اکیلا یہ کام نہیں کرتا۔ بلکہ ہمارے بتوں کی مدد سے
کرتا ہے۔ خود مجبور ہے۔ اسی لئے ان دونوں عقیدوں کی تردید کے لئے حسب ذیل
آیات آئیں۔

۱؎ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔	اور فرماؤ کہ سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہ بنائی اور نہ اس کے ملک میں کوئی شریک ہے اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا ولی مددگار ہے تو اس بڑائی بولو۔

اگر یہ مشرکین ملک اور قبضہ میں خدا کے سوا کسی کو شریک نہیں مانتے تھے۔ تو
یہ تردید کس کی ہو رہی ہے اور کس سے یہ کلام ہو رہا ہے۔ فرماتا ہے۔

۲؎ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ	دوزخ میں مشرکین اپنے بتوں سے کہیں گے

مُّبِیْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ؕ	اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ کیونکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

اگر یہ مشرک مسلمانوں کی طرح اللہ تعالےٰ کو ہر شئے کا خالق، مالک بلا شرکت غیرے مانتے تھے۔ تو برابری کرنے کے کیا معنیٰ ہیں۔ فرماتا ہے۔

۳۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ۝	کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو اُن کو ہم سے بچاتے ہیں، وہ اپنی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی کوئی یاری ہو۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید کی ہے کہ ہمارے معبود ہمیں خدا سے مقابلہ کر کے بچا سکتے ہیں۔

۴۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	بلکہ انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں۔ فرما دو۔ کہ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں۔ فرما دو ساری شفاعتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے۔ کہ ہمارے معبود بغیر اذن الٰہی دھونس کی شفاعت کر کے ہمیں اس کے غضب سے بچا سکتے ہیں۔ اسی لئے اس جگہ بتوں کے مالک نہ ہونے اور رب کی ملکیت کا ذکر ہے یعنی ملک میں شریک ہونیکی وجہ سے اس کے ہاں کوئی شفیع نہیں ہے۔

۵۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور پوجتے ہیں وہ اللہ کے سوا ان چیزوں

مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآ ؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ ۔	کو جو نہ انہیں نقصان دیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں اللہ کے نزدیک ۔

اس آیت میں بھی مشرکین کے اسی عقیدے کی تردید ہے ۔ کہ ہمارے بُت دھونس کی شفاعت کریں گے ۔ کیونکہ وہ رب تعالیٰ کے ساتھ اس کی ملک میں اور عالم کا کام چلانے میں شریک ہیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کا شرک ایک ہی طرح کا نہ تھا ۔ بلکہ اسکی پانچ صورتیں تھیں ۔

خالق[1] کا انکار اور زمانہ کو مؤثر ماننا ۔ چند[2] مستقل خالق ماننا ۔ اللہ[3] کو ایک مان کر اس کی اولاد ماننا ۔ اللہ[4] کو ایک مان کر اسے تھکن کی وجہ سے معطّل ماننا ۔ اللہ[5] کو خالق و مالک مان کر اسے دوسرے کا محتاج ماننا ۔ جیسے اسمبلی کے ممبر شاہانِ موجودہ کے لئے اور انہیں ملکیت اور خدائی میں دخیل ماننا ۔ ان پانچ کے سوا اور چھٹی قسم کا شرک ثابت نہیں ۔

ان پانچ قسم کے مشرکین کے لئے پانچ ہی قسم کی تردیدیں قرآن میں آئی ہیں ۔ جن پانچوں کا ذکر سورۂ اخلاص میں اس طرح ہے ۔ کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ میں دہریوں کا رد کہ اللہ عالم کا خالق ہے ۔ اَحَدٌ میں ان مشرکوں کا رد جو عالم کے دو خالق مستقل مانتے تھے ۔ تاکہ عالم کا کام چلے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں ان مشرکین کا رد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت عزیر علیہ السلام کو رب تعالےٰ کا بیٹا یا فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ میں ان لوگوں کا رد جو خالق کو تھکا ہُوا مان کر مدبّر عالم اوروں کو مانتے تھے ۔

اعتراض:۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدا کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے ۔ اور مسلمان بھی نبیوں، ولیوں کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں۔ تو وہ کیوں مشرک ہو گئے اور یہ کیوں مومن رہے؟ ان دونوں میں کیا فرق ہے

جواب:۔ دو طرح فرق ہے کہ مشرکین خدا کے دشمنوں یعنی بتوں وغیرہ کو سفارشی اور وسیلہ سمجھتے تھے ۔ جو کہ واقعہ میں ایسے نہ تھے ۔ اور مومنین اللہ کے محبوبوں کو شفیع اور وسیلہ سمجھتے ہیں ۔ لہذا وہ کافر ہوئے اور یہ مومن رہے ۔ جیسے گنگا کے پانی اور بت کے پتھر کی تعظیم، ہولی، دیوالی، بنارس، کاشی کی تعظیم شرک ہے ۔ مگر آبِ زمزم، مقامِ ابراہیم، رمضان، محرم، مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ کی تعظیم ایمان ہے ۔ حالانکہ زمزم اور گنگا جل دونوں پانی ہیں۔ مقامِ ابراہیم اور سنگِ اسود ۔ اور بت کا پتھر دونوں پتھر ہیں وغیرہ وغیرہ، دوسرے یہ کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے مقابل دھونس کا شفیع مانتے تھے اور جبری وسیلہ مانتے تھے ۔ مومن انبیاء اور اولیاءِ کرامات کا محض بندہ محض اعزازی طور پر خدا کے اذن و عطا سے شفیع یا وسیلہ مانتے ہیں ۔ اذن اور مقابلہ ایمان و کفر کا معیار ہے ۔

۲۔ **اعتراض**:۔ مشرکین عرب کا شرک صرف اس لئے تھا ۔ کہ وہ مخلوق کو فریادرس ۔ مشکلکشا، شفیع، حاجت روا ۔ دور سے پکار سننے والا، عالم غیب وسیلہ مانتے تھے ۔ وہ اپنے بتوں کو خالق، مالک، رازق، قابض موت و حیات بخشنے والا نہیں مانتے تھے ۔ اللہ کا بندہ مان کر یہ پانچ باتیں ان میں ثابت کرتے تھے قرآن کے فتوے سے وہ مشرک ہوئے ۔ لہذا موجودہ مسلمان جو نبیوں، ولیوں کے لئے یہ مذکورہ بالا چیزیں ثابت کرتے ہیں ۔ وہ بھی انہیں کی طرح مشرک

ہیں۔ اگرچہ انہیں خدا کا بندہ مان کر ہی کریں۔ چونکہ یہ کام مافوق الاسباب مخلوق کے لئے ثابت کرتے تھے۔ مشرک ہوئے۔

جواب :۔ یہ محض غلط اور قرآن کریم پر افترا ہے۔ جب تک رب تعالیٰ کے ساتھ بندے کو برابر نہ مانا جاوے، شرک نہیں ہو سکتا۔ وہ بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابل ان صفتوں سے موصوف کرتے تھے۔ مومن رب تعالیٰ کے اذن سے انہیں محض اللہ کا بندہ جان کر مانتا ہے۔ لہذا وہ مومن ہے۔ ان اللہ کے بندوں کے لئے یہ صفات قرآن کریم سے ثابت ہیں قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ، اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کر سکتا ہوں۔ میں باذنِ الٰہی ہی مٹی کی شکل میں پھونک مار کر پرندہ بنا سکتا ہوں۔ جو کچھ تم گھر میں کھاؤ یا بچاؤ بتا سکتا ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میری قمیص میرے والد کی آنکھوں پر لگا دو۔ انہیں آرام ہوگا۔ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا کہ میں تمہیں بیٹا دوں گا۔ ان تمام میں مافوق الاسباب مشکل کشائی حاجت روائی۔ علم غیب سب کچھ آگیا۔ حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے بے جان بچھڑے میں جان ڈال دی۔ یہ مافوق الاسباب زندگی دینا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دم میں لاٹھی اور دم میں زندہ سانپ بن جاتا تھا آپ کے ہاتھ کی برکت سے۔ حضرت آصف آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سُن لی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کو سات قفلوں سے بند مقفل کوٹھڑی میں بُرے ارادے سے بچایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے روحوں کو حج کے لیے پکارا۔

اور تا قیامت آنے والی روحوں نے سن لیا۔ یہ تمام معجزات قرآن کریم سے ثابت ہیں جن کی آیات انشاء اللہ باب احکام قرآنی میں پیش کی جائیں گی۔ یہ تو سب شرک ہو گئیں بلکہ معجزات اور کرامات تو کہتے ہی انہیں ہیں۔ جو اسباب سے ورا ہو۔ اگر مافوق الاسباب تصرف ماننا شرک ہو جاوے تو ہر معجزہ و کرامت ماننا شرک ہوگا۔ ایسا شرک ہم کو مبارک رہے۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہو اور سارے انبیاء و اولیاء کا عقیدہ ہو۔ فرق وہی ہے کہ باذن اللہ یہ چیزیں بندوں کو ثابت ہیں۔ اور رب کے مقابل ماننا شرک ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے معجزات اور کرامات تو ہیں ہی۔ ایک ملک الموت اور ان کے عملہ کے فرشتے سارے عالم کو بیک وقت دیکھتے ہیں اور ہر جگہ بہ یک وقت تصرف کرتے ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱؎ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔	فرمادو کہ تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا۔ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔
۲؎ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ تْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ۔	یہانتک کہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد آئیں گے انہیں موت دینے۔

ابلیس ملعون کو یہ قوت دی گئی ہے کہ وہ گمراہ کرنے کے لئے تمام کو بیک وقت دیکھتا ہے۔ وہ بھی اور اس کی ذرّیت بھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

۳؎ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔	وہ شیطان اور اس کا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

جو فرشتے قبر میں سوال و جواب کرتے ہیں۔ جو فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچّہ بناتا ہے۔ وہ سب جہان پر نظر رکھتے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس قوت کے وہ اتنا بڑا انتظام کر

سکتے ہی نہیں۔ اور تمام کام مافوق الاسباب ہیں۔ جواہر القرآن کے اس فتوے سے اسلامی عقاید شرک ہو گئے۔ فرق وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا۔ کہ رب کے مقابل یہ قوت ماننا شرک ہے۔ اور رب کے خدام اور بندوں میں باذن الٰہی رب کی عطا سے یہ طاقتیں ماننا عین ایمان ہے۔

بدعت

بدعت کے لغوی معنیٰ ہیں۔ نئی چیز اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں۔ دین میں نیا کام جو ثواب کے لیئے ایجاد کیا جائے۔ اگر یہ کام خلافِ دین ہو تو حرام ہے۔ اور اگر اس کے خلاف نہ ہو تو درست۔ یہ دونوں معنیٰ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔	وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے
۲۔ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔	فرمادو کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی انوکھا۔ نیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا فَاٰتَیْنَا	اور عیسےٰ علیہ السلام کے پیروؤں کے دل میں ہم نے نرمی اور رحمت رکھی اور ترک دنیا یہ بات جو انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔ ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی۔ پھر

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ٥	اسے نہ نباہا۔ جیسا اسکے نباہنے کا حق تھا۔ تو انکے مومنوں کو ہم نے انکا ثواب عطا کیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے رہبانیت اور تارک الدنیا ہونا اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم نہ دیا۔ بدعت حسنہ کے طور پر انہوں نے یہ عبادت ایجاد کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعت کا ثواب دیا۔ مگر جو اسے نباہ نہ سکے یا جو ایمان سے پھر گئے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ معلوم ہوا۔ کہ دین میں نئی بدعتیں ایجاد کرنا جو دین کے خلاف نہ ہوں۔ ثواب کا باعث ہیں مگر انہیں ہمیشہ کرنا چاہیئے۔ جیسے چھ کلمے۔ نماز میں زبان سے نیت۔ قرآن کے رکوع وغیرہ۔ علم، حدیث۔ محفل میلاد شریف، اور ختم بزرگان، کہ یہ دینی چیزیں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئیں۔ مگر چونکہ دین کے خلاف نہیں اور ان سے دینی فائدہ ہے۔ لہذا باعثِ ثواب ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اُسے بہت ثواب ہو گا۔

الٰہ

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح لفظ الٰہ بھی ہے۔ اس کی پہچان مسلمان کے لئے بہت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ کلمہ میں اسی کا ذکر ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ نماز شروع کرتے ہی پڑھتے ہیں۔ لَا اِلٰهَ غَيۡرُكَ۔ یا اللہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ غرضیکہ ایمان اور نماز بلکہ سارے

اعمال اسی کی پہچان پر موقوف ہیں۔ اگر ہمیں الٰہ کی خبر نہ ہو تو دوسروں سے نفی کس چیز کی کریں گے۔ اور رب تعالیٰ کے لئے ثبوت کس چیز کا کریں گے۔ غرضیکہ اس کی معرفت بہت اہم ہے۔

الٰہ کے متعلق ہم تین چیزیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) الٰہ کے معنیٰ وہابیوں نے کیا سمجھے۔ اور اس میں کیا غلطی کی۔

(۲) الٰہ ہونے کی پہچان شریعت اور قرآن میں کیا ہے۔ یعنی کیسے پہچانیں کہ الٰہ حق کون ہے اور الٰہ باطل کون۔

(۳) الوہیت کا مدار کس چیز پر ہے۔ یعنی وہ کونسی صفات ہیں۔ جن کے مان لینے سے اُسے الٰہ ماننا پڑتا ہے۔ ان تینوں باتوں کو بہت غور سے سوچنا چاہئیے۔

(۱) وہابیوں نے الٰہ کا مدار دو چیزوں پر سمجھا ہے۔ علم غیب اور مافوق الاسباب حاجات میں تصرّف یعنی جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ غیب کی بات جان لیتا ہے یا وہ بغیر ظاہری اسباب کے عالم میں تصرّف یعنی عملدر آمد کرتا ہے حاجتیں پوری اور مشکلیں حل کرتا ہے۔ وہی الٰہ ہے۔ دیکھو جواہر القرآن صفحہ ۱۱۲ (قانون لفظ الٰہ) مصنّفہ مولوی غلام خاں صاحب۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ عام مسلمان انبیاء اولیاء کو عالم غیب بھی مانتے ہیں اور مافوق الاسباب متصرف بھی۔ لہذا یہ لوگ کلمہ کے ہی منکر ہیں اور مشرک ہیں۔

لیکن یہ معنی بالکل غلط، قرآن کے خلاف، خود وہابیہ کے عقیدوں کے خلاف، صحابہ کرام اور عام مسلمین کے عقاید کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرشتے باذن پروردگار عالم میں تصرّف کرتے ہیں۔ کوئی زندوں کو مردہ

کرتا ہے (ملک الموت)، کوئی ماں کے پیٹ میں بچہ بناتا ہے۔ کوئی بارش برساتا ہے۔
کوئی حساب قبر لیتا ہے اور یہ سارے کام مافوق اسباب ہیں۔ تو وہابیہ کے نزدیک
یہ سارے الٰہ ہو گئے۔ اسی طرح انبیاء کرام مافوق اسباب حاجتیں پوری کرتے ہیں۔
مشکلیں حل کرتے ہیں۔ عیسےٰ علیہ السّلام اندھوں کوڑھوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ
کرتے تھے۔ یوسف علیہ السلام اپنی قمیص سے باذنِ پروردگار نابینا آنکھ کو بینا کرتے
تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب الٰہ ٹھہرے اور انکا ماننے والا لا الٰہ الّا اللّٰہ کا منکر ہوا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھر میں کھائی بچائی چیزوں کی خبریں دیتے تھے۔ آصف
برخیا تختِ بلقیس آن کی آن میں شام میں لے آتے ہیں۔ یہ بھی الٰہ ہوئے۔ غرضیکہ
اس تعریف سے کوئی قرآن کا ماننے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ شاید جواہر القرآن
والے نے یہ تعریف سوتے میں لکھی ہے یا نشہ میں۔

مذکورہ بالا امور کی آیات انشاء اللہ تیسرے باب میں پیش ہوں گی۔

(۲) الٰہ برحق کی بڑی پہچان صرف یہ ہے کہ جس کو نبی کی زبان الٰہ کہے، وہ الٰہ برحق
ہے۔ اور جس کی الوہیت کا پیغمبر انکار کریں۔ وہ الٰہ باطل ہے۔ تمام کافروں نے
سورج چاند، ستاروں، پتھروں کو الٰہ کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کا انکار کیا۔
سارے جھوٹے اور نبی سچے، رب تعالیٰ کی الوہیت کا سارے فرعونیوں نے انکار کیا۔
کلیم اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ نے اقرار کیا۔ سارے فرعونی جھوٹے، اور موسیٰ
علیہ السلام سچے۔ الٰہ کی پہچان اس سے اعلیٰ ناممکن ہے۔ نبی الٰہ کی دلیل مطلق اور
برہانِ ناطق ہیں آیات ملاحظہ ہوں۔

۱ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۝	پس جادوگر سجدے میں ڈال دیے گئے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۔	وہ بولے کہ ہم ایمان لائے جہانوں کے رب پر جو رب ہے حضرت موسیٰ و ہارون کا

رب العالمین کی پہچان یہ بتائی کہ جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔ ورنہ فرعون کہہ سکتا تھا کہ رب العالمین تو میں ہوں۔ یہ مجھ پر ایمان لا رہے ہیں۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا۔

۲۔ اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ۝	میں حضرت موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لایا

اس نے بھی رب تعالیٰ کی معرفت بذریعہ ان دو پیغمبروں کے کی۔ اگرچہ اس کا ایمان اس لئے قبول نہ ہوا۔ کہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا۔ جب ایمان کا وقت گذر چکا تھا۔

۳۔ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا	جب فرمایا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہ میرے بعد کسے پوجو گے؟ تو وہ بولے کہ آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم۔ اسمٰعیل اور اسحاق علیہ السلام کے رب کی عبادت کریں گے۔

اِن بزرگوں نے بھی سچے اللہ کی پہچان یہی عرض کی کہ جو پیغمبروں کا بتایا ہوا اللہ ہے وہی سچا ہے۔ جیسے دھوپ آفتاب کی بڑی دلیل ہے۔ ایسے ہی انبیاء کرام نور الٰہی کی تجلی اولیٰ ہیں۔ ان کا فرمان رب تعالیٰ کی قوی برہان ہے۔ اگر کوئی نبی کا فرمان چھوڑ کر اپنی عقل و دانش سے خدا کو پہچانے نہ وہ مومن ہے نہ مُوَحِّد۔

لفظ الٰہ کی تحقیق

الٰہ الہ ُ سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں انتہائی بلندی یا حیرانی ۔ الٰہ وہ جو انتہائی بلند و برتر ہو ۔ یا جس کی ذات یا صفات میں مخلوق کی عقل حیران رہ جائے ۔ قرآن کی اصطلاح میں الٰہ بمعنی مستحق عبادت ہے یعنی معبود ۔ جہاں کہیں الٰہ آوے اس کے معنی معبود ہوں گے لا الٰہ نہیں ہے کوئی مستحق عبادت الا اللہ ۔ خدا کے سوا ۔ مستحق عبادت وہ جس میں یہ صفات ہوں ۔ پیدا کرنا ۔ رزق زندگی ۔ موت کا مالک ہونا ۔ خود مخلوق کی صفات سے پاک ہونا ۔ جیسے کھانا پینا ۔ مرنا ۔ سونا ۔ مخلوق ہونا ۔ کسی عیب کا حامل ہونا وغیرہ ۔ دانا غیب مطلق ہونا ۔ عالم کا مالک حقیقی ہونا وغیرہ ۔ فرماتا ہے ۔

۱؎ اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝	کیا انہوں نے زمین میں سے معبود بنالیے وہ کچھ پیدا کرتے ہیں ۔

یعنی چونکہ ان بتوں میں پیدا کرنے کی قابلیت نہیں وہ تو خود مخلوق ہیں ۔ لہذا وہ خدا نہیں ۔

۲؎ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ آپ زندہ ہے اوروں کو قائم رکھنے والا ہے ۔ اُسے نہ اونگھ آوے نہ نیند اس کی ہی وہ چیزیں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۔

۳؎ وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ۔	اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا۔
۴؎ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝	انہوں نے خدا کے سوا اور خدا ٹھہرائے جو کچھ نہیں پیدا کرتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں مالک ہیں اپنی جانوں کے لئے نقصان و نفع کے اور نہیں مالک ہیں مرنے جینے کے اور نہ اٹھنے کے۔

ان جیسی بہت سی آیات سے یہ ہی پتہ لگتا ہے کہ الٰہ حقیقی ہونے کا مدار مذکورہ بالا صفات پر ہے۔ مشرکین کے بتوں اور اللہ تعالےٰ کے دیگر بندوں میں چونکہ یہ صفات موجود نہیں ہیں۔ اور مخلوق کی صفتیں موجود ہیں۔ جیسے کھانا پینا۔ مرنا۔ سونا۔ صاحب اولاد ہونا۔ لہذا وہ الٰہ نہیں ہو سکتے۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ۔	اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بہت سچی تھیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی مسیح اور ان کی والدہ صاحبہ چونکہ کھانا کھاتے تھے لہذا الٰہ نہیں۔

مشرکین عرب نے اپنے معبودوں میں چونکہ حسب ذیل باتیں مانیں۔ لہذا انہیں الٰہ مان لیا اور مشرک ہو گئے۔

(۱) رب تعالیٰ کے مقابل دوسروں کی اطاعت کرنا حق سمجھ کر یعنی ان کا معبود جو کہے وہی حق ہے۔ خواہ رب کے خلاف ہی ہو۔

۱۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ؕ	تو دیکھو تو جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا الٰہ بنا لیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہو گئے ؛
۲۔ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰھًا وَّاحِدًا ؕ	عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح بیٹے مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک خدا کو پوجیں ۔

ظاہر ہے کہ عیسائیوں نے نہ تو اپنی خواہش کو نہ اپنے پادریوں کو خدا مانا ۔ مگر چونکہ رب تعالےٰ کے مقابلہ میں ان کی اطاعت کی اس لئے انہیں گویا الٰہ بنا لیا ۔

(۲) کسی کو یہ سمجھنا کہ یہ ہم کو رب تعالےٰ کے مقابلہ میں اس سے بچالے گا ۔ یعنی وہ عذاب دینا چاہے تو یہ نہ دینے دیں ۔

۱۔ اَمْ لَھُمْ اٰلِھَةٌ تَمْنَعُھُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِھِمْ وَلَا ھُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ؕ	کیا ان کے کچھ خدا ہیں جو ان کو ہمارے مقابل ہم سے بچالیں وہ تو اپنی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی مدد کی جائے ۔

(۳) کسی کو دھونس کا شفیع سمجھنا ۔ کہ رب تعالےٰ کے مقابل اس کی مرضی کے خلاف ہمیں اس سے چھڑا لے گا ۔

۱۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا	کیا انہوں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں ۔ فرما دو کہ کیا اگرچہ وہ

لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ	کسی چیز کے مالک نہ ہوں۔ اور نہ عقل رکھیں۔ فرما دو کہ شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔
۲۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط	وہ کون ہے جو رب کے پاس اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

(۳) کسی کو شفیع سمجھ کر پوجنا اسے تعبدی سجدہ کرنا۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔	اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے نزدیک۔

(۴) کسی کو خدا کی اولاد ماننا، پھر اس کی اطاعت کرنا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ	اور بنایا ان مشرکین نے جنات کو اللہ کا شریک حالانکہ اس نے انہیں پیدا کیا اور بنایا اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں۔

غرضیکہ الٰہ کا مدار صرف اسی پر ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر ماننا اور برابری کی وہ ہی صورتیں ہیں جو اوپر کی آیات سے معلوم ہوئیں۔ ہم مخلوق کو سمیع، بصیر زندہ، قادر، مالک، وکیل، حاکم، شاہد اور متصرف مانتے ہیں۔ مگر مشرک نہیں۔ کیونکہ کسی کو ان صفات میں رب تعالیٰ کی طرح نہیں مانتے۔

اعتراض۔ رب تعالیٰ بتوں اور نبیوں، ولیوں کے بارے میں ارشاد

فرماتا ہے۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ | اور ان کے لئے کوئی اختیار نہیں۔ اللہ پاک اور برتر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ کسی کو اختیار ماننا ہی شرک ہے۔ تم بھی نبیوں، ولیوں کو اختیار مانتے ہو۔ تم نے انہیں الٰہ بنا لیا۔

جواب:۔ یہاں اختیار سے مراد پیدا کرنے کا اختیار ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔ | آپ کا رب جو چاہے پیدا کرے۔ اور اختیار فرمائے انہیں کوئی اختیار نہیں۔"

یا اختیار سے مراد ہے رب تعالیٰ کے مقابل اختیار۔ ورنہ تم بھی بادشاہوں، حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔ اسی لئے ان سے ڈرتے ہو۔

اعتراض۔ رب تعالیٰ نے نبیوں، ولیوں اور بتوں کے لئے فرمایا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۔ | وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع ۔

معلوم ہوا۔ کہ کسی کو نافع اور ضار ماننا اسے الٰہ ماننا ہے۔ اور تم بھی نبیوں، ولیوں کو نافع اور ضار مانتے ہو تم بھی مشرک ہوئے ۔

جواب:۔ ان جیسی آیات میں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں نافع ماننا مراد ہے۔ کہ رب تعالیٰ چاہے ہمیں نقصان پہنچانا، اور یہ ہمیں نفع پہنچا دیں۔ اسکی تفسیر یہ آیت ہے۔

وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُ | اگر خدا انہیں رسوا کرے تو اس کے بعد

كُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ۔ | تمہیں مدد کون دے گا۔

ورنہ تم بھی بادشاہ حاکموں، بلکہ سانپ، بچھو، دواؤں کو نافع اور نقصان دہ مانتے ہو۔ نیز فرماتا ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ | اگر تجھے اللہ سختی پہنچائے۔ تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور جو تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ آیت ان تمام آیتوں کی تفسیر ہے کہ نفع نقصان سے مراد رب تعالیٰ کے مقابل نفع اور نقصان ہے۔

اعتراض:۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ط | ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ کہ اے باپ تم اُسے کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے نہ دیکھے نہ تم سے کچھ مصیبت دور کرے۔

معلوم ہوا۔ کہ کسی کو غائبانہ پکار سُننے والا، غائبانہ دیکھنے والا، نافع وضار ماننا اُسے الٰہ ماننا ہے۔ یہ شرک ہے تم بھی نبیوں، ولیوں میں یہ صفات مانتے ہو۔ لہٰذا انہیں الٰہ مانتے ہو۔

جواب:۔ اس آیت میں دور سے سننے دیکھنے کا ذکر کہاں ہے۔ یہاں تو کفار کی حماقت کا ذکر ہے۔ کہ وہ ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں۔ جن میں دیکھنے سُننے کی بھی طاقت نہیں۔ یہ مطلب نہیں۔ کہ جو سُنے دیکھے۔ وہ خدا ہے۔ ورنہ پھر تو

ہر زندہ انسان خدا ہونا چاہیئے۔ کہ وہ سنتا دیکھتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔

رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا۔	کیا ان بتوں کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں۔ کیا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں"

اس میں بھی ان کفار کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ بے آنکھ، بے ہاتھ اور بے پاؤں کی مخلوق کو پوجتے ہیں۔ حالانکہ ان بتوں سے خود یہ بہتر ہیں۔ کہ ان کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ تو ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس کے آنکھ، کان ہوں۔ وہ خدا ہو جائے۔

اعتراض:۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط	اگر تم اونچی بات کہو۔ تو وہ پوشیدہ اور چھپی باتوں کو جان لیتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ اونچی نیچی، ظاہر، چھپی سب باتوں کو جانے، اگر کسی نبی ولی میں یہ طاقت مانی گئی تو اسے اللہ مان لیا گیا اور شرک ہو گیا۔

جواب:۔ خدا کی یہ صفات ذاتی، قدیم، غیر فانی ہیں۔ اسی طرح کسی میں یہ صفات ماننا شرک ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو ظاہر پوشیدہ باتیں جاننے کی قوت بخشی ہے۔ یہ قوت بہ عطاءِ الٰہی عارضی غیر میں ماننا عین ایمان ہے۔ رب تعالےٰ

فرماتا ہے۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝	بندہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔

یعنی اعمالنامہ لکھنے والا فرشتہ انسان کا ہر ظاہر اور پوشیدہ کلام لکھتا ہے۔ اگر (؟) فرشتے کو ہر ظاہر باطن بات کا علم نہ ہوتا تو لکھتا کیسے ہے؟

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝	اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے جانتے ہیں ہر وہ جو تم کرو۔"

پتہ لگا۔ کہ اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے ہمارے چھپے اور ظاہر عمل کو جانتے ہیں۔ ورنہ تحریر کیسے کریں۔

اعتراض:۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ رِجَالًا مِّنَ الْاِنْسِ کَانُوْا یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝	اور کچھ انسانوں کے مرد کچھ جنوں کے مردوں کی پناہ لیتے تھے اور اس سے ان کا اور تکبر بڑھ گیا۔

معلوم ہوا۔ کہ خدا کے سوا کسی کی پناہ لینا کفر و شرک ہے۔ فرماتا ہے۔

وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ ط	وہ رب پناہ دیتا ہے اور اس پر پناہ نہیں دی جاتی۔

جواب:۔ ان آیات میں رب تعالےٰ کے مقابل پناہ لینا مراد ہے نہ کہ اس کے اذن سے اس کے بندوں کی پناہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ	اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے تمہارے

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝	پاس آجاویں اور اللہ سے بخشش چاہیں اور آپ بھی انکی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ؟

اگر یہ مراد نہ ہو تو ہم سردی گرمی میں کپڑوں مکانوں سے پناہ لیتے ہیں۔ بیماری میں حکیم سے، مقدمہ میں حاکموں سے یہ سب شرک ہوجاوے گا۔

اعتراض:۔ خدا کے سوا کسی کو علم غیب ماننا شرک ہے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ	فرمادو جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ان میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔

علم غیب دلیل الوہیت ہے۔ جسے علم غیب مانا اُسے الٰہ مان لیا۔ جواہر القرآن۔

جواب۔ اگر علم غیب دلیل الوہیت ہے تو ہر مومن الٰہ ہے۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اور بغیر علم کے ایمان ناممکن ہے اور ملک الموت، ابلیس، فرشتہ کاتبِ تقدیر بھی الٰہ ہوگئے۔ کہ ان سب کو بہت علوم غیبیہ دیئے گئے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ	وہ ابلیس اور اس کے قبیلہ والے تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

غیب کے متعلق نفی کی آیات بھی ہیں اور ثبوت کی بھی۔ نفی کی آیات میں واجب قدیم کل ذاتی علم مراد ہے اور ثبوت کی آیات میں عطائی ممکن۔ بعض عارضی علم مراد۔ رب فرماتا ہے۔

۱۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿﴾	نہیں ہے کوئی خشک و تر چیز مگر وہ روشن کتاب لوح محفوظ میں ہے۔
۲۔ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ	قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے اس میں شک نہیں
۳۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔	ہم نے آپ پر قرآن اتارا تمام چیزوں کا روشن بیان۔

اگر کسی کو علم غیب نہیں دینا تھا۔ تو لکھا کیوں؟ اور جب لکھا گیا تو جو فرشتے لوح محفوظ کے حافظ ہیں تو انہیں علم ہے یا نہیں۔ ضرور ہے۔ تو چاہیئے کہ یہ سب الٰہ بن جائیں۔ رب تعالےٰ نے فرمایا کہ حکم صرف اللہ کا ہے۔

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔	نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔
۲۔ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِيْلًا۔	میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
۳۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿﴾	اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

تو چاہیئے۔ کہ وکیل ہونا، حکم ہونا، حسیب ہونا، الوہیت کی دلیل ہو۔ جسے وکیل مانا۔ اُسے خدا مان لیا ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا

کارِ طفلاں تمام خواہد شد!

ولی

لفظ۔ وَلِیْ۔ وَلْیٌ یا وَلَایَۃٌ سے بنا ہے۔ وَلْیٌ کے معنی قرب اور ولایت کے معنی حمایت ہیں۔ لہٰذا ولی کے لغوی معنی قریب، والی، حمایتی ہیں۔ قرآن شریف

میں یہ لفظ اتنے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دوست[1]، قریب[2]، مددگار[3]، والی[4]، وارث[5]
معبود[6]، مالک[7]، ہادی[8]۔

۱۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ٥	تمہارا دوست یا مددگار صرف اللہ اور اس کے رسول اور وہ مومن ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔
۲۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔	ہم ہی تمہارے دوست ہیں دنیا اور آخرت میں۔
۳۔ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ٥	پس نبی کا مددگار اللہ ہے اور نیک مومن ہیں اور اسکے بعد فرشتے مددگار ہیں۔
۴۔ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ٥	پس بنا دے تو ہمارے لئے اپنے پاس سے والی اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار
۵۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ	نبی زیادہ قریب یا زیادہ مالک ہیں مسلمانوں کے بمقابلہ ان کی جانوں کے اور انکی بیویاں انکی مائیں ہیں

ان آیتوں میں ولی کے معنی قریب، دوست، مددگار مالک ہیں۔

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (پ)	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی ان کے بعض بعض کے وارث ہیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی وارث ہے کیونکہ شروع اسلام میں مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بنادیئے گئے تھے۔

۷ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔	اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی۔ انہیں ان کی وراثت سے کچھ نہیں یہانتک کہ ہجرت کریں۔

اس آیت میں بھی ولی سے مراد وارث ہے۔ کیونکہ اول اسلام میں غیر مہاجر، مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا۔

۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ	اور کافر بعض بعض کے وارث ہیں۔
۹ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔	رشتہ دار بعض بعض کے وارث ہیں۔
۱۰ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ	تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا وارث دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث وجانشین ہو

ان آیات میں بھی ولی سے مراد وارث ہے۔ جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔

۱۱ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔	اللہ تعالیٰ مومنوں کا حامی والی ہے کہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حامی والی شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیرے کی طرف نکالتے ہیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی حامی والی ہے۔ بعض آیات میں ولی بمعنی معبود آیا

ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۲؎ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔	جنہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے اور کہتے ہیں کہ نہیں پوجتے ہم انکو مگر اسلئے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔

اس آیت میں ولی بمعنی معبود ہے اس لئے آگے فرمایا گیا۔ مَا نَعْبُدُھُمْ۔

۱۳؎ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا۔	تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو معبود بنالیں۔ بیشک ہم نے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے۔ اس لئے ان ولی بنانے والوں کو کافر کہا گیا۔ کیونکہ کسی کو دوست اور مددگار بنانے سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ جیساکہ پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا ہے۔ معبود بنانے سے کافر ہوتا ہے۔

۱۴؎ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا (پ۲۰)	ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنا لیا۔ مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔

اس آیت میں بھی ولی بمعنی معبود ہے کہ یہاں کفار کی مذمت بیان ہو رہی ہے اور کافر ہی دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔

ولیُ اللہ - ولی مِن دُون اللہ

ولی بمعنی دوست یا مددگار دو طرح کے ہیں۔ ایک اللہ کے ولی، دُوسرے اللہ کے مقابل ولی۔ اللہ کے ولی وہ ہیں جو اللہ سے قرب رکھتے ہیں۔ اور اس کے دوست ہوں اور اسی وجہ سے دنیا والے انہیں دوست رکھتے ہیں۔ ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جائے۔ جیسے کافروں، یا بتوں یا شیطان کو، دُوسرے یہ کہ اللہ کے دوستوں یعنی نبی ولی کو خدا کے مقابل مددگار سمجھا جائے۔ کہ خدا کا مقابلہ کر کے یہ ہمیں کام آئیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان ہے۔ اور ولی من دون اللہ بنانا عین کفر و شرک ہے۔ ولی اللہ کے لئے یہ آیت ہے۔

۱۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝	خبردار! اللہ کے دوست نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

اُس آیت میں ولی اللہ کا ذکر ہے۔

۲۔ لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝	مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا۔
۳۔ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝	اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

ان دو آیتوں میں ولی من دون اللہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں دشمنانِ خدا کو

دوست بنانے کی ممانعت ہے۔ دوسری میں خدا کے مقابل دوست کی نفی ہے۔ یعنی رب تعالےٰ کے مقابل دنیا میں کوئی مددگار نہیں نہ ولی، نہ پیر، نہ نبی۔ یہ حضرات جن کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ کے حکم اور اللہ کے ارادے سے کرتے ہیں۔

ولی یا اولیاء کے ان معانی کا بہت لحاظ رکھنا چاہیئے۔ بے موقعہ ترجمہ بد عقیدگی کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ۱ کی آیت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ الآیتہ کا ترجمہ یہ کر دیا جائے۔ کہ تمہارے معبود اللہ رسول اور مومنین ہیں تو شرک ہو گیا۔ اور اگر مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔ کے یہ معنی کر دیئے جائیں کہ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں تو کفر ہو گیا۔ کیونکہ قرآن نے بہت سے مددگاروں کا ذکر فرمایا ہے اس آیت کا انکار ہو گیا۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ کافروں، ملعونوں کا کوئی مددگار نہیں۔ معلوم ہوا کہ مومنوں کے مددگار ہیں۔

۱۔ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ؁	اور جس پر خدا لعنت کر دے اس کے لیے مددگار کوئی نہ پاؤ گے۔
۲۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ وَّلِیٍّ مِّنْ بَعْدِہٖ۔	اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے پیچھے کوئی مددگار نہیں۔
۳۔ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا	جسے اللہ گمراہ کر دے اس کیلئے ہادی مرشد آپ نہ پائیں گے۔

دُعا

دعا دعوٌ یا دعوتٌ سے بنا ہے۔ جس کے معنی بلانا یا پکارنا ہے۔ قرآن

شریف میں لفظ دعا پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پکارنا[1]۔ بلانا[2]۔ مانگنا یا دعا[3] کرنا۔ پوجنا[4] یعنی معبود سمجھ کر پکارنا۔ تمنا[5] آرزو کرنا۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱. اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔	انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک عدل ہے۔
۲. وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ۔	اور پیغمبر تم کو تمہارے پیچھے پکارتے تھے۔
۳. لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔	رسول کے پکارنے کو بعض کے بعض کو پکارنے کی طرح نہ بناؤ۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا بمعنی پکارنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱. وَادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔	اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ۔
۲. وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو اللہ کے سوا۔
۳. وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔	اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے۔ جو بھلائی کی طرف بلائے۔

ان جیسی آیات میں دعا کے معنی بلانے کے ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱. اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً	اپنے رب سے عاجزی سے خفیہ طور پر دعا مانگو۔
۲. اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔	بیشک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔
۳. رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔	اے ہمارے رب میری دعا سن لے۔
۴. فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ	جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خدا سے دعا

آیت	ترجمہ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔	مانگتے ہیں دین کو اس کے لئے خالص کرکے
۵۔ وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ○	اے میرے رب میں تجھ سے دعا مانگنے میں کبھی نامراد نہ رہا۔
۶۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔	میں دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھ سے دعا کرتا ہے۔
۷۔ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	اور نہیں ہے کافروں کی دعا مگر بربادی میں
۸۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۔	وہاں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا کے معنی دعا مانگنا ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

آیت	ترجمہ
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○	اور تمہارے لئے جنت میں وہ ہوگا جو تمہارے دل چاہیں۔ اور تمہارے لئے وہاں وہ ہوگا جسکی تم تمنا کرو۔

اس آیت میں دعا بمعنی آرزو کرنا چاہنا خواہش کرنا ہے۔

آیت	ترجمہ
۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ۔	جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں۔
۲۔ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔	بیشک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔
۳۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔	اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجتا ہے جو اس کی عبادت قبول نہ کرے قیامت تک۔

۴ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا۔	کافر کہیں گے کہ غائب ہو گئے ہم سے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو نہ پوجتے تھے۔
۵ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ	اور وہ جن کی یہ مشرکین پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں یہ مردے ہیں زندہ نہیں
۶ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ۔	اور جب مشرکین اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے رب ہمارے یہ ہمارے وہ معبود ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پوجا کرتے تھے

ان جیسی تمام وہ آیات جن میں غیر خدا کی دعا کو شرک و کفر کہا گیا یا اس پر جھڑکا گیا ان سب میں دعا کے معنی عبادت (پوجا) ہے اور یَدْعُوْنَ کے معنی ہیں وہ پوجتے ہیں۔ اس کی تفسیر قرآن کی ان آیتوں نے کی ہے۔ جہاں دعا کے ساتھ عبادت یا الٰہ کا لفظ آگیا ہے فرماتا ہے۔

۱ هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	وہ ہی زندہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسے پوجو۔ اس کے لیئے دین کو خالص کرکے سب خوبیاں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں تم فرماؤ میں منع کیا گیا ہوں کہ نہیں پوجوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

اس آیت میں لا الٰہ الا ہو اور اَنْ اَعْبُدَ نے صاف بتا دیا کہ یہاں دعا سے پوجا مراد ہے نہ کہ پکارنا۔

۲۹ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۔

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا بیشک وہ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر دوزخ میں جائینگے۔

یہاں دُعا سے مُراد دعا مانگنا ہے اور دُعا بھی عبادت ہے اس لئے ساتھ ہی عبادت کا ذکر ہوا فقط پکارنا مراد نہیں ؛

۳۰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ۝

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا اس کی پوجا کرتا ہے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں۔ اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو یہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوجاویں گے ؛

یہاں بھی دعا سے مراد پکارنا نہیں بلکہ پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا مراد ہے۔ کیونکہ ساتھ ہی ان کے اس فعل کو عبادت کہا گیا ہے ان آیات نے ان تمام آیات کی شرح کردی جہاں غیر خدا کی دعا کو شرک فرمایا گیا اور بتادیا کہ وہاں دعا سے مراد پوجنا یا دعا مانگنا ہے اور دعا بھی عبادت ہے اگر غیر خدا کو پکارنا شرک ہوتا تو جن آیتوں میں پکارنے کا حکم دیا گیا ۔ اُن سے ان آیات کا تعارض ہوجاتا ۔ پکارنے کی آیات ہم نے ابھی پیش کردیں اسلئے عام مفسّرین ان ممانعت کی آیتوں میں دعا کے معنی عبادت کرتے ہیں ۔ ان کی یہ تفسیر قرآن کی ان آیتوں سے حاصل ہے۔

اعتراض:۔ دعا کے معنی کسی لغت میں عبادت نہیں دعا کے معنی بلانا ذکرنا عام لغت میں مذکور ہیں لہٰذا ان تمام آیتوں میں اس کے معنی پکارنا ہی ہیں۔ (جواہر القرآن)

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دعا کے لغوی معنی پکارنا ہیں اور اصطلاحی معنی عبادت ہیں قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا جہاں دعا کی اجازت ہے۔ وہاں لغوی پکارنا مراد ہیں اور جہاں غیر خدا کی دعا سے ممانعت ہے وہاں عرفی معنی پوجنا مراد ہیں۔ جیسے لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا ہیں اور عرفی معنی نماز۔ قرآن میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے اور صَلِّ عَلَیْهِمْ اور صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ میں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ تمہارا اعتراض ایسا ہے جیسے کوئی نماز کا انکار کردے اور کہے قرآن میں جہاں بھی صلوٰۃ آیا ہے وہاں دعا مراد ہے۔ کیونکہ یہی اس کے لغوی معنی ہیں۔ ایسے ہی طواف کے لغوی معنی گھومنا ہیں۔ اور اصطلاحی معنی ایک خاص عبادت ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ واقعی دعا کے معنی پکارنا ہیں مگر پکارنے کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ جن میں سے کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا عبادت ہے۔ ممانعت کی آیات میں یہی مراد ہے یعنی کسی کو خدا سمجھ کر نہ پکارے۔ اس کی تصریح قرآن کی اس آیت نے فرمادی۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔	اور جو خدا کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب رب کے پاس ہے۔

اس آیت نے خوب صاف فرمادیا کہ پکارنے سے خدا سمجھ کر پکارنا مراد ہے۔

اعتراض:۔ ان ممانعت کی آیتوں میں پکارنا ہی مراد ہے۔ مگر کسی کو دور سے پکارنا مراد ہے یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے۔ یہ ہی شرک ہے۔ (جواہر القرآن)

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن کی ان آیتوں میں دور نزدیک کا ذکر نہیں۔ یہ قید آپ نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ نیز یہ قید خود قرآن کی اپنی تفسیر کے بھی خلاف ہے۔ لہذا مردود ہے۔ نیز اگر دور سے پکارنا شرک ہو تو سب مشرک ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے حضرت ساریہ کو پکارا حالانکہ وہ نہاوند میں تھے۔ حضرت ابراہیم نے کعبہ بنا کر تمام دور کے لوگوں کو پکارا اور تمام روحوں نے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں انہوں نے سن لیا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ آج نمازی حضور علیہ السلام کو پکارتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی آپ پر سلام ہو۔ اگر یہ شرک ہو جاوے تو ہر نمازی کی نماز تو پیچھے ختم ہوا کرے ایمان پہلے ختم ہو جاوے۔ آج ریڈیو کے ذریعہ دور سے لوگوں کو پکارتے ہیں اور وہ سن لیتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ریڈیو کی بجلی کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت دور سے سننا شرک نہیں۔ تو ہم بھی کہیں گے۔ کہ نبوت کے نور کی طاقت ایک سبب ہے اور سبب کے ماتحت سننا شرک نہیں۔ غرضیکہ یہ اعتراض نہایت ہی لغو ہے۔

اعتراض:۔ ممانعت کی آیتوں میں مردوں کو پکارنا مراد ہے۔ یعنی مرے ہوئے کو پکارنا یہ سمجھ کر کہ وہ سن رہا ہے۔ شرک ہے (جواہر القرآن)

جواب:۔ یہ بھی غلط ہے۔ چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ یہ قید تمہارے

گھر کی ہے۔ قرآن میں نہیں آئی۔ رب تعالےٰ نے مردہ، زندہ، غائب، حاضر دور نزدیک کی قید لگا کر ممانعت نہ فرمائی۔ لہٰذا یہ قید باطل ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ تفسیر خود قرآن کی تفسیر کے خلاف ہے۔ اس نے فرمایا کہ دعا سے مراد عبادت ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر مردوں کو پکارنا شرک ہو۔ تو ہر نمازی نماز میں حضور کو پکارتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی آپ پر سلام ہو۔ حالانکہ حضور وفات پا چلے ہیں۔ ہم کو حکم ہے کہ قبرستان جا کر یوں سلام کریں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اے مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کی ہوئی چڑیوں کو پکارا اور انہوں نے سن لیا۔ رب تعالےٰ نے فرمایا۔

ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ	پھر ان مرے ہوئے پرندوں کو بلاؤ پکارو وہ دوڑتے ہوئے تم تک آجائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی ہلاکت کے بعد پکارا۔ صالح علیہ السلام کا قصہ سورۂ اعراف میں اس طرح بیان ہوا۔

فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ	تو انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا۔ اے میری قوم بیشک میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہارا بھلا چاہا۔ مگر تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

شعیب علیہ السلام کا واقعہ اسی سورۃ اعراف میں کچھ آگے یوں بیان فرمایا۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝

شعیب نے ہلاکت کفار کے بعد ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم! میں نے تجھے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی تو میں کافر قوم پر کیسے غم کروں ؏

ان دونوں آیتوں میں فَتَوَلّٰی کی ف سے معلوم ہوا۔ کہ ان دونوں پیغمبروں علیہم الصلوٰت والسلام کا یہ خطاب قوم کی ہلاکت کے بعد تھا۔ خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بدر کے دن مرے ہوئے ابوجہل، ابولہب، اُمیہ ابن خلف وغیرہ کفار سے پکار کر فرمایا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر فرمایا۔ کہ تم ان مُردوں سے زیادہ نہیں سنتے۔

کہیئے! اگر قرآن کے فتوے سے مُردوں کو پکارنا شرک ہے۔ تو ان انبیاء کرام کے اس پکارنے کا کیا جواب دوگے۔ غرضیکہ یہ اعتراض محض باطل ہے۔

اعتراض:۔ کسی کو دور سے حاجت روائی کے لیئے پکارنا شرک ہے۔ اور ممانعت کی آیتوں میں یہی مُراد ہے۔ لہٰذا اگر کسی نبی ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارا گیا۔ کہ وہ ہمارے حاجت روا ہیں تو شرک ہوگیا۔ (جواہر القرآن)

جواب:۔ یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ قرآن کی ممانعت والی آیتوں میں یہ قید نہیں۔ تم نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ لہٰذا معتبر نہیں۔ دوسرے اس لئے کہ یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم نے بتا دیا۔ کہ اللہ کے بندے

دور سے سنتے ہیں۔ خواہ نورِ نبوت سے یا نورِ ولایت سے۔ دوسرے باب میں ہم عرض کریں گے کہ قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ اللہ کے بندے حاجت روا، مشکل کشا بھی ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ صحیح ہیں تو ان کا مجموعہ شرک کیونکر ہو سکتا ہے۔ قرآن فرما رہا ہے۔ کہ اللہ کے بندے وفات کے بعد سن بھی لیتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں جو خاص خاص کو محسوس ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝	اے حبیب ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے۔ کیا ہم نے خدا کے سوا ایسے معبود بنائے ہیں۔ جن کی عبادت کی جاوے۔

غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انبیاء سابقین وفات پا چکے تھے۔ مگر رب تعالٰے فرما رہا ہے کہ اے محبوب! ان وفات یافتہ رسولوں سے پوچھ لو کہ کیا کوئی خدا کے سوا اور معبود ہے۔ اور پوچھا اس سے جاتا ہے۔ جو سن بھی لے اور جواب بھی دے۔ پتہ لگا کہ اللہ کے بندے بعد وفات سنتے اور بولتے ہیں معراج کی رات سارے وفات یافتہ رسولوں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر وفات یافتہ رسولوں نے حج میں شرکت کی اور حج ادا کیا۔ اس بارے میں بہت سی صریح احادیث موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا قرآن کریم میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ اس کے وہ معنی کرنا چاہئیں جو وہاں کے مناسب ہیں۔ جن وہابیوں

نے ہر جگہ اس کے معنی پکارنا کئے ہیں ۔ وہ ایسے فحش غلط ہیں جس سے قرآنی مقصد فوت ہی نہیں بلکہ بدل جاتا ہے ۔ اسی لئے وہابیوں کو اس پکارنے میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں غائب کو پکارنا ۔ کبھی کہتے ہیں مردہ کو پکارنا ، کبھی کہتے ہیں دور سے سنانے کے لئے پکارنا ۔ کبھی کہتے ہیں مافوق الاسباب سنانے کے لئے دور سے پکارنا شرک ہے ۔ مگر پھر بھی نہیں مانتے ، پھر تعجب ہے ۔ کہ جب کسی کو پکارنا عبادت ہوا ۔ تو عبادت کسی کی بھی کی جائے شرک ہے زندہ کی یا مردہ کی ، قریب کی یا دور کی ۔ پھر یہ قیدیں بے کار ہیں ۔ غرضکہ یہ معنی نہایت ہی غلط ہیں ۔ ان جگہوں میں دعا سے مراد پوجنا ہے ۔ اس معنی پر نہ کسی قید کی ضرورت ہے ۔ نہ کوئی دشواری پیش آسکتی ہے ۔

نوٹ ضروری :۔ اللہ کے پیارے وفات کے بعد زندوں کی مدد کرتے ہیں ۔ قرآن شریف سے ثابت ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔	یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا ۔ کہ جو میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ۔

اس آیت سے پتہ لگا ۔ کہ میثاق کے دن رب تعالیٰ نے انبیاء کرام سے دو وعدے لئے ۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ۔ اور رب تعالیٰ جانتا تھا ۔ کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں

سے کسی کی زندگی میں نہ تشریف لائیں گے۔ پھر بھی انہیں ایمان لانے اور مدد کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا۔ کہ روحانی ایمان اور روحانی مدد مراد ہے اور انبیاء کرام نے دونوں وعدوں کو پورا کیا کہ معراج کی رات سب نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ ایمان کا ثبوت ہے۔ بہت سے پیغمبروں نے حج الوداع میں شرکت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شب معراج دین مصطفےٰ کی اس طرح مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔ اب بھی وہ حضرات انبیاء مسلمانوں کی اور حضور کے دین کی روحانی مدد فرما رہے ہیں۔ اگر یہ مدد نہ ہوا کرتی تو یہ عہد لغو ہوتا۔ عیسےٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں اس عہد کو ظاہری طور پر بھی پورا فرمانے کے لئے تشریف لائیں گے۔

عبادت

قرآن شریف کی اصطلاحوں میں عبادت بھی بہت اہم اور نازک اصطلاح ہے۔ کیونکہ یہ لفظ قرآن شریف میں بہت کثرت سے آیا ہے اور اُس کے معنے میں نہائیت باریکی ہے۔ اطاعت، تعظیم، عبادت ان تینوں میں نہایت لطیف فرق ہے۔ بعض لوگ اس نازک فرق کا اعتبار نہیں کرتے۔ ہر تعظیم کو بلکہ ہر عبادت کو عبادت کہہ کر سارے مسلمانوں بلکہ اپنے بزرگوں کو بھی مشرک و کافر کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اس کا مفہوم، اس کا مقصود، بہت غور سے سنیئے۔

عبادت عبدؔ سے بنا ہے۔ بمعنی بندہ۔ عبادت کے لغوی معنی ہیں بندہ بننا یا اپنی بندگی کا اظہار کرنا۔ جس سے لازم آتا ہے معبود کی الوہیت کا اقرار کرنا۔ مفسرین نے اس کی تعریف انتہائی تعظیم بھی کی ہے اور انتہائی عاجزی بھی۔ دونوں تعریفیں

درست ہیں۔ کیونکہ عابد کی انتہائی عاجزی سے معبود کی انتہائی تعظیم لازم ہے۔ اور معبود کی انتہائی تعظیم سے عابد کی انتہائی عاجزی مستلزم۔ انتہائی تعظیم کی حد یہ ہے کہ معبود کی وہ تعظیم کی جاوے جس سے زیادہ تعظیم ناممکن ہو اور اپنی ایسی عاجزی کی جاوے جس سے نیچے کوئی درجہ متصور نہ ہو اس لئے،

عبادت کی شرط یہ ہے کہ بندگی کرنے والا معبود کو الٰہ اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھے۔ یہ سمجھ کر جو تعظیم بھی اس کی کرے گا عبادت ہوگی۔ اگر اسے الٰہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ نبی، ولی، باپ، اُستاد، پیر، حاکم، بادشاہ سمجھ کر تعظیم کرے تو اس کا نام اطاعت ہوگا۔ توقیر، تعظیم، تبجیل ہوگا۔ عبادت نہ ہوگا۔ غرضیکہ اطاعت وتعظیم تو اللہ تعالٰے اور بندوں سب کی ہو سکتی ہے۔ لیکن عبادت اللہ تعالٰے ہی کی ہو سکتی ہے۔ بندے کی نہیں۔ اگر بندے کی عبادت کی تو شرک ہو گیا۔ اور اگر بندے کی تعظیم کی تو جیسا بندہ ویسا اس کی تعظیم کا حکم۔ کوئی تعظیم کفر ہے جیسے گنگا، جمنا، ہولی، دیوالی کی تعظیم۔ کوئی تعظیم ایمان ہے جیسے پیغمبر کی تعظیم کوئی تعظیم ثواب ہے کوئی گناہ۔ اسی لئے قرآن کریم میں عبادت کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ یا رب یا الٰہ کا ذکر ہے۔ اور اطاعت وتعظیم کے ساتھ اللہ تعالٰے کا بھی ذکر ہے اور نبی کا بھی، ماں باپ کا بھی۔ حاکم کا بھی۔ فرماتا ہے

۱۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	آپ کے رب نے فیصلہ فرما دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو
۲۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ	نہیں کہا تھا میں نے ان سے مگر وہ ہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو

وَرَبُّكُمْ ۔	میرا اور تمہارا رب ہے ۔
۲۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ۔	اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ۔
۴۔ نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ	ہم عبادت کرینگے آپکے الٰہ کی اور آپکے باپ دادوں ابراہیم ۔ اسمٰعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی علیہم السلام
۵۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝	فرما دو اے کافرو جن کی تم پوجا کرتے ہو انکی پوجا میں نہیں کرتا ۔

ان جیسی ساری عبادت کی آیتوں میں صرف اللہ تعالےٰ کا ذکر ہوگا ۔ لیکن اطاعت و تعظیم میں سب کا ذکر ہوگا ۔

۱۔ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۔	اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت رسول کی اور اپنے میں سے حکم والوں کی ،
۲۔ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ۔	جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی ۔
۳۔ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۔	نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم و توقیر کرو ۔
۴۔ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ ۔	پس جو ایمان لائے نبی پر اور تعظیم کی ان کی اور مدد کی ۔
۵۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۔	اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلی پرہیز گاری ہے ۔

غرضیکہ تعظیم و اطاعت بندے کی بھی ہوسکتی ہے ۔ لیکن عبادت صرف اللہ کی

جب عبادت میں یہ شرط ہے کہ الٰہ جان کر کسی کی تعظیم کرنا۔ تو یہ بھی سمجھ لو کہ الٰہ کون ہے اس کی پوری تحقیق ہم الٰہ کی بحث میں کر چکے کہ الٰہ وہ ہے جسے خالق مانا جائے یا خالق کے برابر۔ برابری خواہ خدا کی اولاد مان کر ہو یا اس کی طرح مستقل مالک، حاکم، حی، قیوم مان کر یا اللہ تعالےٰ کو اس کا حاجتمند مان کر ہو۔ ایک ہی کام اس عقیدے سے ہو تو عبادت ہے اور اس عقیدے کے بغیر ہو تو عبادت نہیں۔ دیکھو رب تعالےٰ نے فرشتوں سے کہا۔ کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

١ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ۝	پس جب میں انہیں برابر کردوں اور ان میں اپنی روح پھونک دوں تو تم ان کیلئے سجدہ میں گر جاؤ
٢ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۝	اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پہ اٹھالیا اور وہ سب انکے سامنے سجدے میں گر گئے

ان آیتوں سے پتہ لگا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا اور بھی امتوں میں سجدہ کا رواج تھا۔ کہ چھوٹے بڑوں کو سجدہ کرتے تھے۔ پھر یہ بھی فرمایا۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝	سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ ایک اللہ غالب کو سجدہ کرو۔

اس قسم کی بہت آیتوں میں سجدہ کرنے کو منع فرمایا گیا۔ بلکہ اسے کفر قرار دیا۔ پچھلی آیتوں میں سجدہ تعظیمی مراد ہے اور ان آیتوں میں سجدہ تعبدی مراد ہے۔ بندوں کو تعبدی سجدہ نہ اس سے پہلے کسی دین میں جائز تھا نہ ہمارے اسلام میں جائز ہمیشہ سے یہ شرک ہے۔ سجدہ تعظیمی پہلے دینوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں حرام۔

لہٰذا کسی کو سجدہ تعظیمی کرنا اب حرام ہے شرک نہیں۔ لیکن سجدہ تعبدی کرنا شرک ہے۔ ایک ہی کام الوہیت کے عقیدے سے شرک ہے۔ اور بغیر عقیدہ الوہیت شرک نہیں۔ مسلمان سنگِ اسود۔ مقامِ ابراہیم، آبِ زمزم کی تعظیم کرتے ہیں۔ مشرک نہیں۔ مگر ہندو بُت یا گنگا جل کی تعظیم کرے تو مشرک ہے۔ کیونکہ مومن کا عقیدہ ان چیزوں کی الوہیت کا نہیں اور کفار کا عقیدہ الوہیت کا ہے۔

عبادت کی قسمیں

عبادت بہت طرح کی ہے۔ جانی، مالی، بدنی، وقتی وغیرہ۔ مگر اس کی قسمیں دو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق براہِ راست رب تعالےٰ سے ہو۔ کسی بندے سے نہ ہو جیسے نماز روزہ۔ حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ کہ بندہ ان کاموں سے صرف رب تعالےٰ کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے۔ بندے کی رضا کا اس میں دخل نہیں۔ دوسرے وہ جن کا تعلق بندے سے بھی ہے اور رب تعالےٰ سے بھی۔ یعنی جن بندوں کی اطاعت کا رب تعالےٰ نے حکم دیا ہے۔ ان کی اطاعت خدا کو راضی کرنے کے لئے رب کی عبادت ہے۔ جیسے والدین کی فرمانبرداری، مُرشد استاد کی خوشنودی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، اہل قرابت کے حقوق کی ادائگی۔ غرضیکہ کوئی جائز کام ہو۔ اگر اس میں رب تعالےٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لی جائے تو وہ رب تعالےٰ کی عبادت بن جاتے ہیں۔ اور ان پر ثواب ملتا ہے۔ حتیٰ کہ جو اپنے بیوی بچوں کو کما کر اس لئے کھلائے۔ کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ رب تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔ تو کمانا بھی عبادت ہے۔ اور

جو خدا کا رزق اس لئے کھاتے۔ کہ رب تعالےٰ کا حکم ہے۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ادائے فرض کا ذریعہ ہے تو کھانا بھی عبادت ہے۔ اسی لئے مجاہد فی سبیل اللہ غازی کا کھانا پینا، سونا، جاگنا عبادت ہے: بلکہ ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی عبادت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا۔	قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں سینے کی آواز نکالتے۔
فَالْمُوْرِيَاتِ قَدْحًا ۝	پھر سم مار کر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں۔
فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا ۝	پھر صبح ہوتے ہی کفار کو تاخت و تاراج کرتے ہیں

لہٰذا ماں باپ کو راضی کرنا۔ ان کی اطاعت کرنا، رب تعالےٰ کی عبادت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جان ومال قربان کرنا اس سرکار کی اطاعت ہے اور رب تعالیٰ کی عبادت بلکہ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ موجودہ وہابی اس الوہیت کی قید سے بے خبر رہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ ان کے یہاں محفل میلاد شریف شرک قبروں پر جانا شرک، عید کو سویاں پکانا شرک نعلین کو بوسہ دینا شرک، گویا قدم قدم پر شرک ہے۔ اور ساری مشرکین و کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

اعتراض۔ کسی کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر اس کی تعظیم کرنا عبادت ہے۔ اور اس کے سامنے جھکنا بندگی ہے۔ (جواہر القرآن تقویۃ الایمان)

جواب۔ یہ غلط ہے۔ ہم حکام وقت کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ بہت سی مشکلات میں ان کے پاس جانا پڑتا ہے۔ کیا یہ عبادت ہے؟ ہرگز نہیں۔ حکیم

اُستاد کی تعظیم کی جاتی ہے کہ ان سے کام نکلتے رہتے ہیں ۔ یہ عبادت نہیں ۔
اعتراض ۔ کسی کو مافوق الاسباب متصرف مان کر اس کی تعظیم کرنا عبادت
ہے ۔ اور یہ ہی شرک ہے ۔
جواب :۔ یہ بھی غلط ہے ۔ فرشتے مافوق الاسباب تصرف کرتے ہیں ۔ یہ جان
نکالتے ہیں ۔ ماں کے پیٹ میں بچے بناتے ہیں ۔ بارش برساتے ہیں ۔ عذاب الٰہی
لاتے ہیں ۔ یہ سمجھ کر فرشتوں کی تعظیم کرنا ان کی عبادت ہے ۔ نہیں ۔ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے انگلیوں سے پانی کے چشمے باذن اللہ جاری کر دیئے ۔ چاند پھاڑ ڈالا ۔
ڈوبا سورج واپس بلا لیا کنکروں ، پتھروں سے کلمہ پڑھوایا ۔ درختوں جانوروں سے
اپنی گواہی دلوائی ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باذن اللہ مُردے زندہ کئے ۔ اندھے ،
کوڑھی اچھے کئے ۔ یہ سارے کام مافوق الاسباب کئے ۔ اس لئے ان کی تعظیم کرنا عبادت
ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ کیونکہ انہیں خدا کے برابر کوئی نہیں مانتا خدا کے برابر ماننا ہی عبادت
کے لئے شرط اول ہے ۔ یہ سب اللہ کے بندے اللہ کے اذن ارادے سے کرتے
ہیں ۔ اسی لئے حضرت صالح و حضرت ہود ۔ حضرت شعیب ، حضرت نوح اور تمام انبیاء
کرام علیہم السلام نے اپنی قوم کو پہلی تبلیغ یہ ہی فرمائی ۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں ۔

یعنی میری اطاعت کرنا تعظیم کرنا ، توقیر بجا لانا ، مجھے تمام قوم سے افضل سمجھنا ،
لیکن مجھے خدا یا خدا کی اولاد یا خدا کے برابر یا خدا کو میرا محتاج نہ سمجھنا ۔ اور ایسا عقیدہ
رکھ کر میری تعظیم نہ کرنا ۔ کیونکہ اس عقیدے سے کسی کی تعظیم و توقیر عبادت ہے ۔

اور عبادت خدا کے سوا کسی کی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سچی سمجھ عطا فرمائے۔ اس میں بہت بڑے لوگ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

قرآن شریف میں یہ لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ عبادت کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تصرف اور مدد کے ساتھ بھی، ولی اور نصیر کے ساتھ بھی۔ شہید اور وکیل کے ساتھ بھی، شفیع کے ساتھ بھی، ہدایت، ضلالت کے ساتھ بھی جیسے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والوں پر مخفی نہیں اور ہم بھی ہر طرح کی آیات گذشتہ مضامین میں پیش کر چکے ہیں۔

اس لفظ دُون کے معنی سوا اور علاوہ ہیں۔ مگر یہ معنی قرآن کی ہر آیت میں درست نہیں ہوتے۔ اگر ہر جگہ اس کے معنی سوا کئے جائیں۔ تو کہیں تو آیات میں سخت تعارض ہوگا۔ اور کہیں قرآن میں صراحتہً جھوٹ لازم آئے گا۔ جس کے دفع کے لئے سخت دشواری ہوگی۔ قرآن کریم میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) سوا، علاوہ (۲) مقابل (۳) اللہ کو چھوڑ کر۔ جہاں من دون اللہ عبادت کے ساتھ ہو یا ان الفاظ کے ہمراہ آوے جو عبادت یا معبود کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہوں۔ تو اس کے معنیٰ سوا ہوں گے۔ کیونکہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ جیسے اس آیت میں۔

(۱) فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ	پس نہیں پوجتا میں انہیں جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور لیکن میں تو اس اللہ کو

الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ۔	پوچھوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔
۲؎ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُھُمْ وَلَا یَضُرُّھُمْ۔	اور پوجتے ہیں وہ کافر اللہ کے سوا انہیں جو نہ انہیں نفع دیں نہ نقصان۔
۳؎ اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَھُمْ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ	جمع کرو ظالموں کو اور ان کی بیویوں کو اور ان کی جن کی پوجا کرتے تھے یہ اللہ کے سوا

اس جیسی بہت سی آیات میں من دون اللہ کے معنی اللہ کے سوا ہیں۔ کیونکہ یہ عبادت کے ساتھ آئے ہیں۔ اور عبادت غیر خدا کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔

۴؎ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا (الآیۃ)	فرماؤ کہ تم بتاؤ کہ تمہارے وہ شرکا جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سوا مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا۔
۵؎ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○	اور بلالو اپنے معبودوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔
۶؎ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَآءَ	تو کافروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

ان جیسی آیات میں چونکہ دُون کا لفظ تَدْعُوْنَ اور اولیاء کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہاں تدعون کے معنی عبادت ہیں۔ اور اولیاء کے معنی معبود لہذا یہاں بھی دُون بمعنی علاوہ اور سوا ہوگا۔

لیکن جہاں دون۔ مدد یا نصرت یا دوستی کے ساتھ آوے گا تو وہاں اس کے معنی صرف سواء کے نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کے مقابل یا اللہ کو چھوڑ کر ہوں گے۔ یعنی اللہ کے

سوا اللہ کے دشمن۔ اس تفسیر اور معنی میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ جیسے۔

۱۔ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا	کہ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
۲۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ	کیا ان لوگوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں
۳۔ وَمَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ	اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔
۴۔ وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا	اور وہ اللہ کے مقابل اپنا نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ مددگار۔
۵۔ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔	مومن، مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔
۶۔ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا	اور جو شیطان کو دوست بنائے خدا کو چھوڑ کر وہ کھلے ہوئے گھاٹے میں پڑ گیا۔
۷۔ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ	اور نہیں ہے ان کافروں کے لئے اللہ کے مقابل کوئی مددگار۔

اُن جیسی تمام اُن آیتوں میں جہاں مدد۔ نصرت۔ ولایت دوستی وغیرہ کے ساتھ لفظ دُون آیا ہے۔ ان میں اس کے معنی صرف سوا یا علاوہ کے نہیں بلکہ وہ سوا مراد ہے جو رب تعالیٰ کا دشمن یا مقابل ہے۔ لہٰذا اس دون کے معنے مقابل کرنا نہایت موزوں ہے۔ جن مفسرین نے یا ترجمہ کرنے والوں نے ان مقامات میں سوا ترجمہ کیا ہے۔ اُنکی مراد بھی سوا سے ایسے ہی سوا مراد ہیں۔ اس دُون کی تفسیر یہ آیات ہیں۔

۱۔ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ	اور اگر رب تمہیں رسوا کرے تو کون ہے

يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۔	جو پھر تمہاری مدد کرے ۔
۲۔ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا	تم فرماؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچائے اگر ارادہ کرے رب تمہارے لئے برائی کا اور ارادہ کرے مہربانی کا اور وہ اللہ کے مقابل کوئی نہ دوست پائینگے نہ مددگار
۳۔ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۔	کیا انکے کچھ ایسے خدا ہیں جو انہیں ہم سے بچالیں

ان آیات نے تفسیر فرمادی کہ جہاں مدد یا دوستی کے ساتھ لفظ دُون آئے گا۔ وہاں مقابل اور رب کو چھوڑ کر معنی دے گا۔ نہ کہ صرف سوا یا علاوہ کے۔ نیز اگر اس جگہ دُون کے معنی سوا کئے جائیں۔ تو آیات میں تعارض بھی ہوگا۔ کیونکہ مثلاً یہاں تو فرمایا گیا۔ رب کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ اور جو آیات ولی کی بحث میں پیش کی گئیں۔ وہاں فرمایا گیا۔ کہ تمہارا ولی اللہ اور رسول اور نیک مومنین ہیں۔ یا تمہارے ولی فرشتے ہیں یا فرمایا گیا۔ کہ اے مولیٰ اپنی طرف سے ہمارے مددگار فرما۔ اس تعارض کا اٹھانا بہت مشکل ہوگا۔

نیز اگر ان آیات میں دُون کے معنی سوا کئے جائیں تو عقل کے بالکل خلاف ہوگا اور رب کا کلام معاذ اللہ جھوٹا ہوگا۔ مثلاً یہاں فرمایا گیا۔ کہ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ انہوں نے خدا کے سوا سفارشی بنالئے۔ سفارشی تو خدا کے سوا ہی ہوگا۔ خدا تو سفارشی ہو سکتا ہی نہیں۔ یا فرمایا گیا۔ لَا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا۔ میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔ حالانکہ دن رات وکیل بنایا جاتا ہے اب وکیل کے معنی کی توجیہیں کرو۔ اور شفعاء کے متعلق بحث کرتے پھرو۔ لیکن اگر یہاں

دُون کے معنی مقابل کر لئے جائیں۔ تو کلام نہایت صاف ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے مقابل نہ کوئی سفارشی ہے نہ وکیل نہ کوئی حمایتی ہے نہ کوئی مددگار نہ کوئی دوست جو کوئی جو کچھ ہے۔ وہ رب تعالےٰ کے ارادہ اور اسی کے حکم سے ہے۔ لہذا جہاں بندوں سے ولایت حمایت مدد دوستی کی نفی ہے۔ وہاں رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر ہے کہ رب تعالیٰ چاہے ہلاک کرنا اور یہ مدد کر کے بچالیں اور جہاں ان چیزوں کا بندوں کے لیئے ثبوت ہے۔ وہاں اذنِ الٰہی سے مدد نصرت وغیرہ ہے۔

اعتراض۔ ان آیات میں مِن دُونِ اللہ سے اللہ کے سوا ہی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ کے سوار غائبانہ مافوق الاسباب مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ ہی عقیدہ شرک ہے۔ جن آیتوں میں اللہ کے بندوں کی مدد اور ولایت کا ثبوت ہے۔ وہاں حاضرین زندوں کی اسباب غائبانہ مدد مراد ہے (جواہر القرآن)

جواب۔ یہ توجیہ بالکل غلط ہے۔ چند وجہوں سے ایک یہ کہ نفی مدد کی آیتوں میں کوئی قید نہیں ہے۔ مطلق ہیں۔ تم نے اپنے جیب سے اس میں تین قیدیں لگائیں غائبانہ۔ مافوق الاسباب، مُردوں کی مدد۔ قرآن کی آیت خبر واحد سے بھی مقید نہیں ہو سکتی۔ اور تم صرف اپنے گمان وہم سے مقید کر رہے ہو۔ اور اگر دُون کو بمعنی مقابل لیا جائے۔ تو کوئی قید لگانی نہیں پڑتی۔ دوسرے یہ کہ تمہاری یہ تفسیر خود قرآن کی اپنی تفسیر کے خلاف ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیات نے بتایا۔ کہ یہاں دُون بمعنی مقابل ہے۔ لہذا تمہاری یہ تفسیر تحریف ہے۔ تفسیر نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان قیدوں کے باوجود آیت درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منوّرہ سے بیٹھے ہوئے حضرت ساریہ کی مافوق الاسباب مدد فرمادی۔ کہ انہیں

دشمن کی خفیہ تدبیر سے مطلع فرمادیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی مافوق الاسباب دور سے مدد فرمادی۔ کہ اپنی قمیض کے ذریعہ باذن پروردگار ان کی آنکھیں روشن فرمادیں۔ اور ظاہر ہے کہ قمیض آنکھ کی شفا کا سبب نہیں۔ لہذا یہ مدد مافوق الاسباب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے بعد ہماری مافوق الاسباب یہ مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں۔ اس قسم کی سینکڑوں مددیں ہیں۔ جو اللہ کے پیاروں نے غائبانہ مافوق الاسباب فرمائیں۔ تمہاری اس تفسیر کی رو سے سب شرک ہوگئیں۔ غرضیکہ تمہاری یہ تفسیر درست نہیں ہوسکتی چوتھے یہ کہ تم اپنی قیدوں پر خود قائم نہ رہوگے۔ اچھا بتاؤ۔ اگر غائبانہ امداد تو منع ہے۔ کیا حاضرانہ امداد جائز ہے تو بتاؤ کسی زندہ ولی سے اس کے پاس جاکر فرزند مانگنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر جاکر حضور سے جنت مانگنا دوزخ سے پناہ مانگنا جائز ہے۔ تم اسے بھی شرک کہتے ہو۔ تو تمہاری یہ قیدیں خود تمہارے مذہب کے خلاف ہیں بہرحال یہ قیود باطل ہیں۔ ان آیات میں دُون بمعنی مقابل ہے ؛

نذر و نیاز

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال ہوا ہے۔ نذر کے لغوی معنی ہیں ڈرانا یا ڈر سنانا۔ شرعی معنی ہیں غیر لازم عبادت کو اپنے پر لازم کرلینا۔ عرفی معنی ہیں نذرانہ و ہدیہ قرآن کریم میں یہ لفظ ان تینوں معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے۔

۱۔ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۝	ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دینے والا۔ ڈر سنانے والا۔
۲۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔	نہیں ہے کوئی جماعت مگر گذرے ان میں ڈرانے والے۔
۳۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔	کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہ آئے جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے۔
۴۔ وَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى۔	اور ڈرایا میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے،
۵۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۔	ہم نے قرآن شریف اتارا برکت والی رات میں۔ ہم ہیں ڈرانے والے۔

ان جیسی بہت سی آیات میں نذر لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ڈرانا دھمکانا اس معنی میں یہ لفظ اللہ تعالےٰ کے لئے بھی آیا ہے۔ اور انبیاء کرام کے لئے بھی اور علماء دین کے لئے بھی۔ یہ لفظ شرعی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ۔	جو کچھ تم خرچ کرو یا نذر مانو کوئی نذر اللہ اُسے جانتا ہے۔
۲۔ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ۔	اے میرے رب میں نے نذر مانی تیرے لئے اس بچے کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد۔ پس قبول فرما مجھ سے۔

۳۸ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔	چاہیئے کہ یہ لوگ اپنی نذریں پوری کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں ۔
۳۹ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۔	میں نے اللہ کے لئے روزے کی نذر مانی ہے ۔ پس آج کسی سے کلام نہ کروں گی ۔

ان جیسی آیات میں نذر سے شرعی معنی مراد ہیں یعنی منت ماننا اور غیر ضروری عبادت کو لازم کر لینا یہ نذر عبادت ہے ۔ اس لئے خدا کے سوا کسی بندے کے لئے نہیں ہو سکتی ۔ اگر کوئی کسی بندے کی نذر مانتا ہے تو مشرک ہے ۔ کیونکہ غیر خدا کی عبادت شرک ہے ۔

چونکہ عبادت میں شرط یہ ہے کہ معبود کو الٰہ یعنی خدا یا خدا کے برابر مانا جائے ۔ اس لئے اس نذر میں بھی یہی قید ہوگی ۔ کہ کسی کو خدا یا خدا کے برابر مان کر نذر مانی جائے ۔ اگر ناذر کا یہ عقیدہ نہیں ہے ۔ بلکہ جس کی نذر مانی اسے محض بندہ سمجھتا ہے ۔ تو وہ شرعی نذر نہیں ۔ اسی لئے فقہاء نے اس نذر میں تقرب کی قید لگائی ۔ تقرب کے معنی عبادت ہیں ۔

یہ بھی خیال رہے ۔ کہ اگر کوئی کسی بندے کے نام پر شرعی نذر کرے ۔ یعنی اس کی الوہیت کا قائل ہو کر اس کی منت مانے ۔ تو اگرچہ یہ شخص مشرک ہوگا ۔ اور اس کا یہ کام حرام ہوگا ۔ مگر وہ چیز حلال رہے گی ۔ اس چیز کو حرام جاننا سخت غلطی ہے اور قرآن کریم کے خلاف ۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے ۔

۱ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ	نہیں بنایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام یہ مشرکین اللہ پر

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔	جھوٹ گھڑتے ہیں ۔

کفار عرب ان چار قسم کے جانور وصیلہ حام وغیرہ کو اپنے بتوں کے نام کی نذر کرتے تھے ۔ اور انہیں کھانا حرام جانتے تھے ۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید فرما دی اور فرمایا کہ یہ حلال ہیں ۔ جیسے آجکل ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے سانڈھ حلال ہیں ۔ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ ۔

۱۲ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۔	اور ٹھیرایا ان کافروں نے اللہ کا اس کھیتی اور جانوروں میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے ۔
وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ ۔	اور کافر کہتے ہیں کہ یہ جانور اور کھیتی منع ہے اسے نہ کھائے مگر وہ جسے ہم چاہیں ۔

ان آیات سے معلوم ہوا ۔ کہ کفار عرب اپنے جانوروں کھیتوں میں بتوں کی نذر مان لیتے تھے ۔ اور کچھ حصہ بتوں کے نام پر نامزد کر دیتے تھے ۔ پھر انہیں کھانا یا تو بالکل حرام جانتے تھے ۔ جیسے بحیرہ سائبہ جانور اور یا ان کے کھانے میں پابندی لگاتے تھے ۔ کہ مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں ۔ فلاں کھائے ۔ فلاں نہ کھائے ۔

ان دونوں حرکتوں کی رب نے تردید ان آیات میں فرما دی ۔

۱۳ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ	اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بتانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ۔

۲۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا۔

فرماؤ کہ بھلا دیکھو تو جو اللہ نے تمہارا رزق اتارا۔ تم نے اس میں کچھ حلال بنایا کچھ حرام۔

۳۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔

فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور ستھرا رزق۔

۴۔ وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔

ان کافروں نے حرام سمجھ لیا اسے جو اللہ نے انہیں رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے

۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○

اے مسلمانو! کھاؤ وہ ستھری چیزیں جو ہم تمہیں رزق دیں اور اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

۶۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

اور تمہارا کیا حال ہے کہ نہیں کھاتے اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

۷۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

اللہ نے صرف مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے تم پر حرام فرمایا۔

۸۔ وَقَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ○ وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً

بیشک نقصان میں رہے وہ جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت سے قتل کر ڈالا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام کر لیا۔

اللہ پر تہمت لگاتے ہوئے ۔	عَلَى اللهِ ۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے کفار عرب کے اس عقیدے کی پُر زور تردید فرمائی کہ جس جانور اور جس کھیتی وغیرہ کو بُت کے نام پر لگا دیا جاوے ۔ وہ حرام ہو جاتا ہے فرمایا تم اللہ پر تہمت لگاتے ہو۔ اللہ نے یہ چیزیں حرام نہ کیں ۔ تم کیوں حرام جانتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے نام کی نذر ماننا شرک تھا ۔ اور ان کا یہ فعل سخت جرم تھا ۔ مگر اس چیز کو حلال ٹھیرایا اس کے حرام جاننے پر عتاب کیا ۔ ایسے حلال رزق اور طیب روزی فرمایا ۔ ان بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کے متعلق حکم فرمایا ۔ کہ اللہ کے نام پر ذبح کرو ۔ اور کھاؤ ۔ کافروں کی باتوں میں نہ آؤ ۔ ایسے ہی آج بھی جس چیز کو غیر خدا کے نام پر شرعی طور پر نذر کر دیا جائے ۔ وہ بھی حلال طیب ہے اگرچہ یہ نذر شرک ہے ۔

نذر کے تیسرے معنی عرفی ہیں ۔ یعنی کسی بزرگ کو کوئی چیز ہدیہ ، نذرانہ ، تحفہ پیش کرنا یا پیش کرنے کی نیت کرنا ، کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا ۔ تو حضور غوث پاک کے نام کی دیگ پکاؤں گا ۔ یعنی دیگ بھر کھانا خیرات کروں گا اللہ کے لئے اور ثواب اس کا سرکار بغداد کی روح شریف کو نذرانہ کروں گا ۔ یہ بالکل جائز ہے ۔ صحابہ کرام نے ایسی نذریں بارگاہِ رسالت میں مانی اور پیش کی ہیں اور حضور نے قبول فرمائی ہیں ۔ نہ یہ کام حرام نہ چیز حرام ۔ اسی کو عوام کی اصطلاح میں نیاز کہتے ہیں ۔ بمعنی نذرانہ ۔ اس کا قرآن شریف میں بھی ثبوت ہے ۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی ۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے ۔

کچھ گاؤں والے وہ ہیں ۔ جو اللہ اور	وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ ؕ

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّھَا قُرْبَۃٌ لَّھُمْ سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں یقیناً ان کے لئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں بتایا کہ مومنین اپنے صدقہ میں دو نیتیں کرتے ہیں۔ ایک اللہ کی نزدیکی اور اس کی عبادت۔ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعائیں لینا اور خود حضور کا خوش ہونا۔ یہ ہی فاتحہ بزرگان دینے والے ان کی نذر ماننے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ خیرات اللہ کے لئے ہو اور ثواب اس بزرگ کے لئے۔ تاکہ ان کی روح خوش ہو کر ہمیں دعا کرے۔ اسی لیئے عوام کہتے ہیں۔ نذرِ اللہ نیاز حسین۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم ایک غزوہ سے بخیریت واپس تشریف لائے۔ تو ایک لونڈی نے عرض کیا۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّکَ اللّٰہُ صَالِحًا اَنْ اَضْرِبَ بَیْنَ یَدَیْکَ بِالدُّفِّ وَاَتَغَنّٰی بِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ کُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ وَاِلَّا فَلَا۔ (مشکوۃ باب مناقب عمرؓ)

حضور میں نے منت مانی تھی۔ کہ اگر اللہ آپ کو بخیریت واپس لائے۔ تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں۔ سرکار نے فرمایا۔ اگر تم نے نذر مانی ہے۔ تو بجاؤ ورنہ نہیں۔

اس حدیث میں لفظ نذر اسی نذرانہ کے معنی میں ہے نہ کہ شرعی نذر۔ کیونکہ گانا بجانا عبادت نہیں۔ صرف اپنے سرور و خوشی کا نذرانہ پیش کرنا مقصود تھا۔ جو سرکار میں قبول فرمایا گیا۔ یہ عرفی نذر ہے جو ایک صحابیہ مانتی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پورے کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اسی مشکوٰۃ کے حاشیہ میں بحوالہ ملا علی قاری ہے۔ وَاِنْ کَانَ السُّرُوْرُ بِمَقْدَمِہِ الشَّرِیْفِ نَفْسُہٗ قُرْبَۃً "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی منانا عبادت ہے"

غرضکہ اس قسم کی عرفی نذریں عوام و خواص میں عام طور پر مروج ہیں۔ استاد۔ ماں۔ باپ۔ شیخ سے عرض کرتے ہیں۔ کہ یہ نقدی آپ کی نذر ہے اسے شرک کہنا انتہا درجہ کی بیوقوفی ہے۔

خاتم النبیّین

لفظ خاتم ختم سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں مہر لگانا۔ اصطلاح میں اسکے معنی ہیں تمام کرنا۔ ختم کرنا۔ بند کرنا۔ کیونکہ مہر یا تو مضمون کے آخر پر لگتی ہے۔ جس سے مضمون بند ہو جاتا ہے۔ یا پارسل بند ہونے پر لگتی ہے۔ جب نہ کوئی شے اس میں داخل ہو سکے نہ اس سے خارج۔ اسی لئے تمام ہونے کو ختم کہا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

۱ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَ عَلٰی سَمْعِہِمْ۔	اللہ تعالےٰ نے ان کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی۔

۲۷ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ بولیں گے اور انکے پاؤں گواہی دینگے جو وہ کرتے تھے۔

۲۸ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ۔

تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر رحمت وحفاظت کی مہر لگادے۔

۲۹ وَیُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ۔

نتھاری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی ہے اسکی مہر مشک پر ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں ختم بمعنی مہر استعمال فرمایا گیا ہے کہ جب کفار کے دل وکان پر مہر لگ گئی تو نہ باہر سے وہاں ایمان داخل ہو۔ نہ وہاں سے کفر باہر نکلے۔ یوں ہی جنت میں شرابا طہورا ایسے برتنوں سے پلائی جائے گی جن پر حفاظت کے لئے مہر ہے تاکہ کوئی توڑ کر نہ باہر سے کوئی آمیزش کر سکے۔ نہ اندر سے کچھ نکال سکے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

اس جگہ خاتم عرفی معنی میں استعمال ہوا۔ یعنی آخری اور پچھلا۔ لہذا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے۔ اس معنی کی تائید حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے۔ اور ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں

۱ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ

آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔	دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔
۲۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ	پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم سب نبی ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔
۳۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔	محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی ہیں ان سے پہلے سارے رسول گذر چکے۔
۴۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔	تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائینگے۔ اور اے محبوب ان سب پر گواہ ونگہبان لائیں گے۔

ان آیتوں سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مکمل ہے۔ اور دین کے مکمل ہو چکنے کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ کسی نبی کی بشارت یا خوشخبری نہیں دیتے۔ اور پچھلے نبی کی تصدیق ہوتی ہے۔ آئندہ کی بشارت۔ اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی ہوتا۔ تو اس کے بشیر بھی ہوتے۔ تیسرے یہ کہ آپ سارے پیغمبروں اور ان کی امتوں پر گواہ ہیں۔ لیکن کوئی نبی حضور کا گواہ یا حضور کی اُمت کا گواہ نہیں۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چوتھے یہ کہ سارے نبی آپ سے پہلے گذر چکے۔ کوئی باقی نہیں رہا۔

اعتراض۔ خاتم النبیین کے معنی ہیں نبیوں سے افضل جیسے کہا کرتے ہیں فلاں شخص خاتم الشعراء یا خاتم المحدثین ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ شاعروں

یا محدّثوں میں آخری شاعر یا آخری محدث ہے۔ بلکہ محدثوں میں افضل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اَنْتَ خَاتِمُ الْمُهَاجِرِيْنَ تم مہاجرین میں خاتم یعنے افضل ہو نہ یہ معنی کہ آخری مہاجر ہو۔ کیونکہ ہجرت تو قیامت تک جاری رہے گی لہذا آپ کے بعد نبی آ سکتے ہیں۔ ہاں آپ سب سے افضل ہیں اور خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں۔

جواب خاتم ختمؔ سے بنا ہے۔ جس کے معنی افضل نہیں ورنہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کے معنی یہ ہوتے کہ اللہ نے کافروں کے دل افضل کر دیئے۔ جب ختم میں افضلیّت کے معنی نہیں۔ تو خاتم میں جو اس سے مشتق ہے۔ یہ معنی کہاں سے آگئے۔ لوگوں کا کسی کو خاتم الشعراء کہنا مبالغہ ہوتا ہے۔ گویا اب اس شان کا شاعر نہ آوے گا۔ کہا کرتے ہیں فلاں پر شعر گوئی ختم ہوگئی۔ رب تعالیٰ کا کلام مبالغہ اور جھوٹ سے پاک ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان مہاجرین میں جنہوں نے مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آخری مہاجر ہیں۔ کیونکہ ان کی ہجرت فتح مکّہ کے دن ہوئی۔ جس کے بعد یہ ہجرت بند ہوگئی۔ لہذا وہاں بھی خاتم آخر کے معنی میں ہیں۔ سرکار نے فرمایا۔ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْيَوْمِ۔ آج کے بعد اب مکّہ سے ہجرت نہ ہوگی۔ اگر وہاں خاتم کے معنی افضل ہوں۔ تو لازم آئے گا۔ کہ حضرت عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی افضل ہو جاویں۔ کیونکہ حضور بھی مہاجر ہیں۔

اعتراض۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم آخری نبی ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کیوں آپ کے بعد آویں گے۔ آخری نبی کے بعد کوئی نبی نہ چاہیئے؟

جواب: آخری نبی کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے زمانہ یا آپ کے بعد کوئی

نبی باقی نہ رہے۔ آخری اولاد کے معنی یہ ہیں۔ کہ پھر کوئی بچہ پیدا نہ ہو۔ نہ یہ کہ پچھلے سب مر جاویں نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اب نبوت کی حیثیت سے نہ ہوگا۔ بلکہ حضور کے امتی کی حیثیت سے۔ یعنی وہ اپنے وقت کے نبی ہیں اور اس وقت کے اُمتی۔ جیسے کوئی جج دوسرے جج کی کچہری میں گواہی دینے کے لئے جاوے۔ تو وہ اگرچہ اپنے علاقہ میں جج ہے۔ مگر اس علاقہ میں گواہ۔ عیسیٰ علیہ السّلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے علاقہ میں ان کے دین کی نصرت و مدد کرنے تشریف لاویں گے۔

نوٹ ضروری: جب ختم بمعنی مہر ہوتا ہے تو اس کے بعد علیٰ ضرور ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ جیسے کہ ہماری پیش کردہ آیات سے ظاہر ہے اور جب ختم بمعنی آخر ہونا یا تمام کرنا ہوگا۔ تو علیٰ کی ضرورت نہیں۔ خاتم النبیین میں علیٰ نہ ظاہر ہے نہ پوشیدہ۔ لہذا یہاں آخری نبی مراد ہیں۔

نوٹ ضروری: خاتم النبیین کے معنی "آخری نبی" خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائے اور اس پر امت کا اجماع رہا۔ اب آخری زمانہ میں مولوی محمد قاسم دیوبندی اور مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے نئے معنے ایجاد کئے۔ یعنی اصلی نبی، افضل نبی اور ان اجماعی معنی کا انکار کیا۔ اسی لئے ان دونوں پر عرب و عجم کے علماء نے فتویٰ کفر دیا۔ اور جیسے قرآن مجید کے الفاظ کا انکار کفر ہے۔ ویسے ہی اس کے اجماعی معنی کا انکار بھی کفر ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ پر میرا ایمان ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ مگر صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ اس کے معنے دعا ہیں۔ ہاں نماز بھی اس معنی میں داخل ہے۔ اور زکوٰۃ کے معنی صدقہ واجبہ نہیں۔ بلکہ اس کے

معنی پاکی ہے۔ ہاں صدقہ وخیرات بھی اس میں داخل ہے تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ قرآن کے لفظوں کا انکار نہیں کرتا۔ مگر متواتر معنی کا انکار کرتا ہے۔ اس صورت میں خواہ نماز کو فرض ہی مانے۔ مگر جب قرآن میں الصلوٰۃ کے معنی نماز نہیں کرتا۔ تو وہ کافر ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے صفات کو ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے۔ جیسے کہ حضور نبی ہیں۔ رسول ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ اور رحمت اللعالمین ہیں۔ ایسے ہی آپ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ماننا ضروری ہے۔ اور نبوت کے وہی معنی ہیں۔ جو مسلمان مانتے ہیں۔ ایسے ہی آپ کو خاتم النبیین اسی معنی سے ماننا ضروری ہے۔ جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ نیز جیسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ میں اِلٰہَ نکرہ ہے۔ نفی کے بعد تو معنی یہ ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی طرح کا کوئی معبود نہیں۔ نہ اصلی نہ ظلی نہ بروزی نہ مراتی نہ ذاتی۔ ایسے ہی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں نبی نکرہ نفی کے بعد ہے جس کے معنی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی طرح کا نبی۔ اصلی، نقلی، بروزی وغیرہ آنا ایسا ہی ناممکن ہے۔ ہے۔ جیسا دوسرا الٰہ ہونا۔ جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا امکان بھی مانے، وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا دیوبندی اور قادیانی اس ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے دونوں مرتد ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ اے صحابیو! اگر ایسا ایمان لائیں جیسا تمہارا ایمان ہے۔ تو ہدایت پا جائیں گے، اور صحابہ نے حضور کے بعد کوئی نبی نہ مانا۔ لہٰذا نبی ماننا گمراہی ہے۔

دوسرا باب

قواعد قرآنیہ

پہلے باب میں معلوم ہوچکا کہ قرآن شریف میں ایک لفظ چند معنی میں آتا ہے۔ ہر مقام پر لفظ کے وہی معنی کرنا چاہئیں۔ جو اس جگہ مناسب ہوں۔ اب ہم وہ قاعدے بیان کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوجائے کہ لفظ کے معنے معلوم کرنے کے قاعدے کیا ہیں۔ کیسے معلوم کریں۔ کہ یہاں فلاں معنی ہیں۔ ان قواعد کو بغور مطالعہ کرو۔ تاکہ ترجمہ قرآن میں غلطی واقع نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۱

الف، جب وحی کی نسبت نبی کی طرف ہوگی۔ تو اس کے معنی ہوں گے رب تعالے کا بذریعہ فرشتہ پیغمبر سے کلام فرمانا۔ یعنی وحی الٰہی عرفی۔

(ب)، جب وحی کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اس سے مراد ہوگا دل میں ڈالنا، خیال پیدا کردینا۔ الف کی مثال ان آیات میں ہے۔

۱، اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔	بیشک ہم نے وحی کی تمہاری طرف جیسے وحی کی تھی نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں کی طرف

۲۷ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔	اور وحی کی گئی نوح کی طرف کہ اب ایمان نہ لائے گا مگر وہ جو ایمان لا چکے :

ان جیسی صدہا آیتوں میں وحی سے مراد ہے وحی ربانی جو پیغمبر دل پر آتی ہے ب کی مثال یہ آیات ہیں۔

۲۸ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ۔	اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔
۲۹ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِہِمْ۔	اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔
۳۰ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ۔	اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈالدیا کہ انہیں دودھ پلاؤ :

ان آیتوں میں چونکہ وحی کی نسبت شہد کی مکھی یا موسیٰ علیہ السلام کی ماں یا شیطان کی طرف ہے اور یہ سب نبی نہیں۔ اسلئے یہاں وحیٔ نبوت مراد نہ ہوگی بلکہ فقط دل میں ڈال دینا مراد ہوگا۔ کبھی وحی اس کلام کو بھی کہا جاتا ہے جو نبی سے بلاواسطہ فرشتہ ہو جیسے اس آیت میں ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔	پس ہو گئے وہ محبوب دو کمانوں کے فاصلہ پر اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی کی :

معراج کی رات قرب خاص کے موقعہ پر جب فرشتہ کا واسطہ نہ رہا تھا۔ جو رب

تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمکلامی ہوئی۔ اسے وحی فرمایا گیا۔

قاعدہ نمبر (۲)

(الف) جب عبد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ تو اس سے مراد مخلوق عابد یا بندہ ہوتا ہے۔

(ب) جب عبد کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی خادم نوکر ہوں گے۔

الف کی مثال ان آیات میں ہے:۔

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی۔	پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔
۲۔ وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ۔	ہمارے بندے ایوب کا ذکر فرمایا۔
۳۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ	میرے خاص بندوں پر اے ابلیس تیرا غلبہ نہ ہوگا۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ عبد کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس لئے یہاں عبد کے معنی بندہ عابد ہوں گے۔

(ب) کی مثال ان آیات میں ہے۔

۱۔ وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ	اور نکاح کر دو ان میں سے انکا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق غلاموں اور لونڈیوں کا۔
۲۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا	فرما دو کہ اے میرے وہ غلام جنہوں نے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔	زیادتی کی اپنی جانوں پر، مت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے۔

ان آیتوں میں چونکہ عبد کی نسبت بندوں کی طرف ہے۔ اس لئے اس کے معنی مخلوق نہ ہوں گے۔ بلکہ خادم، غلام ہوں گے۔ لہٰذا عبدالنبی اور عبدالرسول کے معنی ہیں نبی کا خادم۔

قاعدہ نمبر (۳)

(الف) جب رب کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد ہے حقیقی پالنے والا یعنی اللہ تعالٰے۔

(ب) جب کسی بندے کو رب کہا جاوے۔ تو اس کے معنی ہوں گے مربّی محسن پرورش کرنے والا۔

الف کی مثال یہ آیات ہیں۔

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	ساری حمدیں اللہ کیلئے ہیں جو جہان کا رب ہے۔
(۲) رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝	وہ اللہ تمہارا اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا رب ہے۔
(۳) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ	فرمادو میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے رب کی

ان آیات میں چونکہ اللہ تعالٰے کو رب کہا گیا لہٰذا اس سے مراد حقیقی پالنے والا ہے۔

(ب) کی مثال ان آیتوں میں ہے۔

١- اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ۔	اپنے مربی (بادشاہ) کی طرف لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے ہاتھ کاٹے تھے۔
٢- قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔	فرمایا یوسف نے اللہ کی پناہ وہ بادشاہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

ان آیتوں میں چونکہ بندوں کو رب کہا گیا ہے۔ اس لیئے اس کے معنے مربی اور پرورش کرنے والا ہیں۔

قاعدہ نمبر (۴)

(الف) جب ضلال کی نسبت غیر نبی کی طرف ہو تو اسکے معنی گمراہ ہونگے۔

(ب) جب ضلال کی نسبت نبی کی طرف ہو تو اس کے معنی وارفتہ محبت یا راہ سے ناواقف ہوں گے۔

الف کی مثال یہ ہے۔

١- وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۝	جسے خدا گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں
٢- غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝	ان کا راستہ نہ چلا جن پر غضب ہوا نہ گمراہوں کا۔
٣- وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔	جسے رب گمراہ کردے تم اس کے لئے ہادی رہبر نہ پاؤگے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں چونکہ ضلال کا تعلق نبی سے نہیں غیر نبی سے ہے

تو اس کے معنی ہیں گمراہی خواہ کفر ہو یا شرک یا کوئی اور گمراہی۔ سب اس میں داخل ہوں گے۔

(ب) کی مثالیں:

۱۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝	اے محبوب رب نے تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی راہ دیدی"
۲۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝	وہ فرزندان یعقوب علیہ السلام بولے۔ کہ خدا کی قسم تم تو اپنی پرانی خود رفتگی میں ہو۔
۳۔ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝	فرمایا موسیٰ نے کہ میں نے قبطی کو مارنے کا کام جب کیا تھا جب مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

یعنی نہ جانتا تھا۔ کہ گھونسہ مارنے سے قبطی مرجائے گا۔ ان جیسی تمام آیتوں میں ضلال کے معنی گمراہی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ نبی ایک آن کے لئے گمراہ نہیں ہوتے۔ رب فرماتا ہے۔

۱۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔	تمہارے صاحب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہکے نہ بے راہ چلے:
۲۔ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	حضرت شعیب نے فرمایا کہ مجھ میں گمراہی نہیں لیکن میں رب العالمین کیطرف سے رسول ہوں"

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ نبی گمراہ نہیں ہوسکتے۔ آیت ۲ میں لٰكِنّ بتا رہا ہے کہ نبوت اور گمراہی جمع نہیں ہوسکتی۔

قاعدہ نمبر (۵)

(الف) مکر یا خداع کی نسبت جب اللہ تعالےٰ کی طرف ہو تو اس کے معنے دھوکہ یا فریب نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ عیب ہیں۔ بلکہ اس کے معنیٰ ہوں گے دھوکے کی سزا دینا، یا خفیہ تدبیر کرنا۔

(ب) جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو۔ مکر کے معنیٰ۔ دھوکہ، مکاری، دغا بازی۔ اور خداع کے معنیٰ فریب ہوں گے۔ ان دونوں کی مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ۔	وہ اللہ کو دھوکا دیا چاہتے ہیں اور رب انہیں سزا دیگا۔ یا رب ان پر خفیہ تدبیر فرمائے گا۔
۲۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ۔	منافقین دھوکہ دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو اور نہیں دھوکا دیتے مگر اپنی جانوں کو۔
۳۔ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝	منافقوں نے مکر کیا اور اللہ نے انکے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تمام تدبیریں کرنیوالوں میں بہتر ہے

ان تمام آیتوں میں جہاں مکر یا خداع کا فاعل کفار ہیں۔ اس سے مراد دھوکا فریب ہے اور جہاں اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ وہاں مراد یا تو مکر کی سزا ہے۔ یا خفیہ تدبیر۔

قاعدہ نمبر (۶)

(الف) جب تقویٰ کی نسبت رب کی طرف ہو۔ تو اس سے مراد ڈرنا ہوگا۔

(ب) جب تقویٰ کی نسبت آگ یا کفر یا گناہ کی طرف ہو۔ تو اس سے مراد

بچنا ہوگا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱) یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝	اے لوگو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔
۲) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط	اور بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

پہلے اتقوا کے معنی ڈرنا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور دوسرے اتقوا کے معنی بچنا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آگ کا ذکر ہے۔

قاعدہ نمبر (۷)

مِنْ دُوْنِ اللہِ

(الف) جب مِنْ دُوْنِ اللہ عبادت کے ساتھ آوے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے سوا۔

(ب) جب مِنْ دُوْنِ اللہ مدد، نُصرت، ولایت، دُعا بمعنی پکارنا کے ساتھ آوے۔ تو اس کے معنی ہوں گے اللہ کے مقابل یعنی اللہ کے سوا وہ لوگ جو اللہ کے مقابل ہیں۔

(الف) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ۔	تم اور وہ چیزیں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔
۲۔ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ	اور جو کوئی اللہ کے سوا دوسرے معبود کو پوجے
۳۔ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ہ	بیشک مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم خدا کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں من دون اللہ کے معنی اللہ کے سوا ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔

(ب) کی مثال یہ آیات ہیں۔

۱۔ وَمَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۔	اور تمہارا اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔
۲۔ اَمْ لَھُمْ اٰلِھَۃٌ تَمْنَعُھُمْ مِنْ دُوْنِنَا۔	کیا ان کے پاس ایسے معبود ہیں جو ہمارے مقابل انہیں بچائیں۔
۳۔ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا۔	میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
۴۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ	بلکہ بنا لئے انہوں نے اللہ کے مقابل حمایتی

ان جیسی تمام آیتوں میں من دون اللہ سے مراد اللہ کے مقابل ہوگا۔ یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی مددگار، ناصر، سفارشی، وکیل نہیں جو رب سے مقابلہ کرکے تمہیں اس کے عذاب سے بچائے۔ اگر ان آیات میں اس کے معنی اللہ کے سوا کئے گئے یعنی خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ تو ان آیتوں سے تعارض ہوگا جن میں بندوں کو مددگار بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں گذر چکا۔ اس معنی کی

تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

۱؎ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءً۔	وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا لے اگر وہ تمہاری برائی چاہے۔
۲؎ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ۔	اور اگر تمہیں رب رسوا کرے۔ تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے۔

ان آیتوں نے بتایا۔ کہ کوئی بندہ رب کے خلاف ہو کر اس کے مقابل رب سے کسی کو نہ بچا سکے نہ کسی کی مدد کر سکے ہاں اس کے ارادے، اس کے اذن سے بندے ولی بھی ہیں۔ شفیع بھی ہیں، مددگار بھی ہیں۔ وکیل بھی ہیں۔

قاعدہ نمبر (۸)

ولی

(الف) جب ولی رب کے مقابل آوے تو اس سے مراد معبود یا مالک حقیقی ہے۔ اور ایسا ولی اختیار کرنا شرک و کفر ہے۔

(ب) جب ولی رب کے مقابل نہ ہو۔ تو اس سے مراد دوست یا مددگار قریب وغیرہ ہیں۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱؎ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ	کیا کافروں نے سمجھ رکھا ہے کہ میرے بندوں کو میرے سوا معبود بنائیں۔

۲۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَیْتًا۔	ان کی مثال جنہوں نے خدا کے سوا کوئی معبود بنا لیا مکڑی کی طرح ہے جس نے گھر بنایا۔
۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ	بے شک وہ جنہوں نے اللہ کے سوا کوئی معبود بنا لیا۔

ان جیسی آیتوں میں ولی بمعنی معبود ہے یا مالک حقیقی۔

(ب) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ؈	تمہارا دوست یا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔
۲۔ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا ؈	پس ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی بنادے اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار مقرر فرمادے۔

ان جیسی آیات میں ولی سے مراد معبود نہیں۔ بلکہ دوست یا مددگار وغیرہ مراد ہیں۔ کیونکہ یہاں رب کے مقابل ولی نہیں فرمایا گیا ہے۔ اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں ولی کے بیان میں گذر چکی ہے۔

قاعدہ نمبر (۹)

(الف) جب دعا کے بعد دشمنِ خدا کا ذکر ہو یا دعا کا فاعل کافر ہو۔ یا دعا پر رب تعالےٰ کی ناراضگی کا اظہار ہو۔ یا دعا کرنے والوں کو رب تعالےٰ نے کافر۔ مشرک، گمراہ فرمایا ہو۔ تو دعا سے مراد عبادت پوجنا وغیرہ ہوگا۔ نہ کہ محض پکارنا یا بلانا۔

(ب) جب دعا کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہو تو وہاں اُس کے معنی پکارنا۔ پوجنا، دعا مانگنا ہوگا۔ حسب موقعہ معنی کیے جائیں گے۔

(الف) کی مثال یہ ہے:-

۱۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝	اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے۔ جو خدا کے سوا ایسوں کو پوجے جو اس کی قیامت تک نہ سنیں۔
۲۔ اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝	بے شک مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔
۳۔ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ۔	وہ ہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بس اسے پوجو۔

ان جیسی تمام آیات میں دعا کے معنی پوجنا ہیں۔ پکارنا یا بلانا نہیں۔ معنی یہ ہوں گے۔ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی کو نہ پکارو یا نہ بلاؤ۔

(ب) کی مثال یہ آیات ہیں:-

۱۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ	اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے

خُفْيَۃً ۔	پوشیدہ ۔
۲۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔	دعا کرنے والوں کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتے ہیں

ان جیسی آیات میں دعا سے مراد دعا مانگنا بھی ہو سکتا ہے ۔ اور پوجنا بھی، پکارنا بھی ۔ ایک ہی لفظ مختلف موقعوں پر مختلف معانی میں ہوتا ہے ۔ اگر بے موقعہ معنی کیے جائیں ۔ تو کبھی کفر لازم آجاتا ہے اس کی تحقیق پہلے باب میں دعا کے بیان میں گذر چکی ۔

قاعدہ نمبر (۱۰)

(الف) جب شرک کا مقابلہ ایمان سے ہوگا تو شرک سے مراد ہر کفر ہوگا ۔

(ب) جب شرک کا مقابلہ اعمال سے ہوگا تو مشرک سے مراد مشرکوں کا سا کام ہوگا نہ کہ کفر ۔

(الف) کی مثال یہ ہے :۔

۱۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ	مومن غلام مشرک یعنی کافر سے بہتر ہے
۲۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا ۔	مشرک یعنی کسی کافر سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں ۔
۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔	بے شک اللہ مشرک کو نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا ۔

ان تمام آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے۔ کیوں کہ مومنہ کا کسی کافر مرد سے نکاح جائز نہیں۔ کوئی کفر جس پر انسان مر جاوے بخشا نہ جاوے گا۔ مومن ہر کافر سے بہتر ہے۔ اگر یہاں شرک کے معنی صرف بت پرستی کیا جاوے تو غلط ہوگا۔

(ب) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔	نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔"

اس آیت میں اور اس حدیث میں مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔ یہ ہی مراد ہیں۔ کہ نماز نہ پڑھنا مشرکوں، کافروں کا سا کام ہے۔ کیوں کہ نماز نہ پڑھنا گناہ تو ہے۔ کفر یا شرک نہیں

قاعدہ نمبر (۱۱)

(الف) جب صلوٰۃ کے بعد علیٰ آوے تو اس کے معنی رحمت یا دعاء رحمت ہوں گے یا نماز جنازہ۔

(ب) جب صلوٰۃ کے بعد علیٰ نہ آوے۔ تو صلوٰۃ کے معنی نماز ہوں گے۔

(الف) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ۔	وہ اللہ وہ ہے جو تم پر رحمت کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں۔
۲۔ وَصَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ	آپ انکے لئے دعا کریں۔ آپ کی دعا ان کے

سَکَنٌ لَّهُمْ۔	دل کا چین ہے۔
۳۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔	ان منافقوں میں سے کسی پر نہ آپ نماز جنازہ پڑھیں نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہوں۔
۴۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔	بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔

ان جیسی تمام آیتوں میں صلوٰۃ سے مراد دعا یا رحمت یا نماز جنازہ ہی مراد ہوگا کیونکہ ان میں صلوٰۃ کے بعد علیٰ آرہا ہے۔

(ب) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔	نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔
۲۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔	بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کے مطابق واجب ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں صلوٰۃ سے مراد نماز ہے۔ کیونکہ یہاں صلوٰۃ سے علیٰ کا تعلق نہیں۔ دوسری آیت میں اگرچہ علیٰ ہے۔ مگر علیٰ کا تعلق کتابًا سے ہے، نہ کہ صلوٰۃ سے۔ لہٰذا یہاں بھی مراد نماز ہی ہے

قاعدہ نمبر (۱۲)

مُردوں کا سُننا

جب قرآن شریف میں مُردے، اندھے، بہرے، گونگے۔ قبر والے کیساتھ

نہ لوٹنے دے، نہ ہدایت پانے نہ سنانے وغیرہ کا ذکر ہوگا۔ تو ان لفظوں سے مراد کافر ہوں گے۔ یعنی دل کے مردے، دل کے اندھے وغیرہ۔ عام مردے وغیرہ مراد نہ ہوں گے۔ اور ان کے نہ سنانے سے مراد ان کا ہدایت نہ پانا ہوگا۔ نہ کہ واقع میں نہ سننا۔ اور ان آیات کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ آپ ان دل کے مردے، اندھے، بہرے کافروں کو نہیں سنا سکتے۔ جس سے وہ ہدایت پر آجاویں۔ یہ مطلب نہ ہوگا۔ کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ مثال یہ ہے۔

۱۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۔	یہ کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں پس وہ نہ لوٹیں گے۔
۲۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ	تم ان مردوں (کافروں) کو نہیں سنا سکتے اور نہ تم بہروں کو سنا سکتے ہو۔
۳۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا	جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہکا ہوا ہے۔

یہ آیات قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہیں اور ان سب میں مردوں، اندھوں، بہروں سے مراد کفار ہی ہیں نہ کہ ظاہری آنکھوں کے اندھے اور بے جان مردے۔ ان آیات کی تفسیر ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

۱۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِي	بیشک تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو بہروں کو جب پھریں پیٹھ دیکر اور نہ تم اندھوں کو ہدایت کرنے والے ہو۔

الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؀	نہیں سنا سکتے تم مگر ان کو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں ؎

اس آیت میں مردے اور اندھے بہرے کا مقابلہ مومن سے کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ مردوں سے مراد کافر ہیں۔

۲ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ؀	اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ٹینٹ ہیں اور وہ ان پر اندھا پن ہے۔ گویا وہ دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں ؎

اس آیت نے بتایا۔ کہ کافر گویا اندھا بہرا ہے۔

۳ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ۔	یہ کفار وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی پس انہیں بہرا کر دیا اور انکی آنکھوں کو اندھا کر دیا

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ لعنت سے آدمی اندھا بہرا ہو جاتا ہے یعنی دل کا اندھا بہرا۔

۴ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ؀	جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، اُن سے پوچھئے کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے ہیں جنکی پوجا کی جاوے ؎

اس آیت نے بتایا۔ کہ اللہ کے پیارے بندے وفات کے بعد سنتے بھی ہیں۔ اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اگر گذشتہ وفات یافتہ پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنتے۔ یا جواب نہ دیتے۔ تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی تھے

مُردوں کے سُننے کی اور آیات بھی ہیں جو پہلے باب میں دُعا کے معنی میں بیان کی جا چکیں۔

ہماری ان مذکورہ آیتوں نے بتا دیا کہ جہاں مُردوں کے سننے سنانے کی نفی کی گئی ہے۔ وہاں مُردوں سے مراد کافر ہیں۔ ان آیتوں سے یہ ثابت کرنا کہ مُردے سُنتے نہیں۔ بالکل جہالت ہے۔ ورنہ التحیات میں حضور کو سلام اور قبرستان میں مُردوں کو سلام نہ کرایا جاتا۔ کیونکہ نہ سُننے والے کو سلام کرنا منع ہے۔ اسی لئے سوتے ہوئے کو سلام نہیں کرسکتے۔

قاعدہ نمبر (۱۳)

جب مومن کو ایمان کا حکم دیا جائے یا نبی کو تقویٰ کا حکم ہو تو اس سے مراد ایمان اور تقویٰ پر قائم رہنا ہوگا۔ کیونکہ وہاں ایمان و تقویٰ تو پہلے ہی موجود ہے۔ اور تحصیل حاصل محال ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

۱۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا۔	اے ایمان والو ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو۔
۲۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ۔	اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی اللہ سے ڈرے جاؤ
۳۔ وَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔	اے مومنو اللہ و رسول پر ایمان لاؤ یعنی ایمان پر قائم رہو

ان جیسی تمام آیات میں ایمان و تقویٰ پر استقامت مراد ہے۔ تاکہ ترجمہ درست ہو۔ نیز مسلمانوں کو احکام عمل کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو احکام اس لئے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ عمل کرائیں۔ جیسے جہاز کے مسافر پار اترنے کے لئے جہاز میں سوار ہوتے ہیں۔ اور کپتان پار اتارنے کے لئے

وہاں بیٹھتا ہے۔ اسی لئے مسافر کرایہ دے کر اور کپتان تنخواہ لے کر سوار ہوتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۱۴)

(الف) جب خلق کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف ہو تو اس سے مراد پیدا کرنا ہو گی۔ یعنی نیست کو ہست کرنا۔

(ب) جب خلق کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس سے مراد ہو گی بنانا۔ گڑھنا

(الف) کی مثال یہ آیات ہیں۔

۱۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔	اللہ نے پیدا کیا موت زندگی تا کہ تمہارا امتحان کرے کہ کون اچھے عمل والا ہے۔
۲۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔	اور پیدا کیا اللہ نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
۳۔ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔	اللہ نے پیدا کیا تم کو اور تم سے پہلے والوں کو۔

ان جیسی تمام آیتوں میں خلق کے معنی پیدا کرنا ہے کیونکہ اس کا فاعل اللہ تعالٰے ہے۔

(ب) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ اِنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ۔	عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی شکل۔
۲۔ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا	تم خدا کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹ گھڑتے ہو۔

۳۷ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝	پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے ؎

قاعدہ نمبر (۱۵)

(الف) حکم، گواہی، وکالت، حساب لینا، مالک ہونا۔ ان چیزوں کو جہاں قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ وہاں حقیقی، دائمی، مستقل مراد ہوگا۔ مثلاً کہا جاوے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ یا خدا کے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ تو مراد حقیقی دائمی مالک و مستقل وکیل ہے۔

(ب) جب ان چیزوں کو بندوں کی طرف نسبت کیا جاوے۔ تو ان سے مراد عارضی، عطائی، مجازی ہوں گے۔

(الف) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔	نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالےٰ کا۔
۲۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔	اور اللہ ہی کافی گواہ ہے۔
۳۔ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا۔	میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ۔
۴۔ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا۔	آپ کا رب کافی وکیل ہے۔
۵۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔	ہم نے آپ کو ان کافروں پر وکیل بنا کر نہ بھیجا۔
۶۔ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔	آپ ان کافروں پر وکیل نہیں
۷۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔	اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا
۸۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا	صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں وہ چیزیں

فِی الْاَرْضِ۔	جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔
۹ وَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا۔	اور اللہ تعالیٰ ہی کو وکیل بناؤ۔

ان جیسی ساری آیتوں میں حقیقی مالک حقیقی وکیل حقیقی گواہ، حقیقی حساب لینے والا مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی حاکم نہیں۔ کوئی حقیقی مالک، حقیقی وکیل، حقیقی گواہ نہیں جیسے کہ سکندر نامے میں ہے ؎

پناہِ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

(ب) کی مثال ان آیات میں ہے۔

۱ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا۔	اور اگر تم خاوند و بیوی کی مخالفت کا اندیشہ کرو تو ایک حکم پنچ خاوند والوں کیطرف سے اور دوسرا حکم پنچ عورت والوں کیطرف سے بھیجو
۲ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ فَاحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔	اور جب تم لوگوں کے درمیان حکومت (فیصلہ) کرو۔ تو انصاف کیساتھ کرو۔
۳ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ۔	پس آپکے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ آپکو اپنے اختلافات میں حاکم مان لیں۔
۴ وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ۔	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس انکا مقدمہ لیجاؤ۔
۵ وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ	اور اپنے میں سے دو پرہیزگاروں کو گواہ بناؤ
۶ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ	آج تو اپنے پر خود ہی کافی حساب

حَسِیْبًاہ	لینے والا ہے
۷۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔	اور حرام ہیں تم پر شوہر والی عورتیں سوا ان کے جن کے تم مالک ہو۔
۸۔ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ۔	اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو۔
۹۔ شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ۔	تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آوے وصیت کرتے وقت تو تم میں سے دو معتبر شخص ہیں

ان جیسی تمام آیتوں میں عارضی، غیر مستقل، عطائی ملکیت گواہی، وکالت، حکومت، حساب لینا، بندوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کے بندے مجازی طور پر حاکم ہیں۔ وکیل ہیں۔ گواہ ہیں۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ جیسے سمیع، بصیر، حی وغیرہ اللہ تعالےٰ کی صفتیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ اللہ تعالےٰ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور بندوں کی بھی صفتیں یہ ہیں۔ فرماتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔ اللہ کا سننا دیکھنا دائمی غیر محدود، مستقل ذاتی ہے اور بندوں کا دیکھنا سننا، زندہ ہونا عارضی، محدود، عطائی، غیر مستقل ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ کا نام بھی علی ہے۔ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کا نام بھی علی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مولٰینا اَنْتَ مَوْلٰنَا۔ اور عالموں کو مولینا صاحب کہا جاتا ہے مگر اللہ کا علی یا مولیٰ ہونا اور طرح کا ہے اور بندوں کا علی اور مولیٰ ہونا کچھ اور قسم کا۔ یہ

فرق ضروری ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۶)

(الف) جہاں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا جاوے یا اس کی بندوں سے نفی کی جاوے تو اس علم غیب سے ذاتی، دائمی جمیع علوم غیبیہ قدیمی مراد ہوگا۔

(ب) جہاں علم غیب بندوں کے لیئے ثابت کیا جاوے یا کسی نبی کا قول قرآن میں نقل کیا جاوے کہ فلاں پیغمبر نے فرمایا۔ کہ میں غیب جانتا ہوں۔ وہاں مجازی، حادث عطائی علم غیب مراد ہوگا۔ جیسا کہ قاعدہ نمبر ۱۵ میں دیگر صفات کے بارے میں بیان کر دیا گیا۔

الف کی مثال یہ ہے۔

(۱) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللهُ۔	تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمین میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا
(۲) عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔	اس رب کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
(۳) اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ	قیامت کا علم اللہ تعالےٰ ہی کے پاس ہے
(۴) وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ۔	اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔
(۵) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ	اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت خیر

لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔	جمع کر لیتا۔

ان جیسی تمام آیات میں علم غیب ذاتی یا قدیمی یا مستقل مراد ہے۔ اس کی نفی بندوں سے کی جارہی ہے۔

ب کی مثال یہ آیات ہیں۔

۱؎ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔	قرآن ان پرہیز گاروں کا ہادی ہے جو غیب پر ایمان لائیں (ظاہر ہے کہ غیب پر ایمان جان کر ہی ہوگا)
۲؎ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔	اللہ غیب کا جاننے والا ہے پس نہیں مطلع کرتا اپنے غیب پر کسی کو سوا پسندیدہ رسول کے۔
۳؎ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا	اور سکھا دیا آپ کو وہ جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔
۴؎ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥	یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ جانتا ہوں میں اللہ کیطرف سے وہ جو آپ نہیں جانتے۔
۵؎ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔	اور خبر دیتا ہوں میں تمہیں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو۔
۶؎ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ۔	یوسف علیہ السلام نے فرمایا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آئے گا کہ میں اسکی تعبیر اسکے آنے سے پہلے تمہیں بتا دونگا یہ ان علموں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

۷ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝	اور وہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں ۔

ان جیسی تمام آیتوں میں علم غیب عطائی غیر مستقل حادث، عارضی مراد ہے۔ کیونکہ یہ علم غیب بندہ کی صفت ہے ۔ جب بندہ خود غیر مستقل اور حادث ہے ۔ تو اس کی تمام صفات بھی ایسی ہی ہوں گی ۔

قاعدہ نمبر (۱۷)

(الف) جن آیتوں میں شفاعت کی نفی ہے وہاں یا تو دھونس کی شفاعت مراد ہے ۔ یا کفار کے لیئے شفاعت یا بتوں کی شفاعت مراد ہے ۔ یعنی اللہ تعالے کے سامنے جبراً شفاعت کوئی نہیں کر سکتا ۔ یا کافروں کی شفاعت نہیں یا بت شفیع نہیں ۔

(ب) جہاں قرآن شریف میں شفاعت کا ثبوت ہے ۔ وہاں اللہ کے پیاروں کی مومنوں کے لیئے محبت والی شفاعت بالاذن مراد ہے ۔ یعنی اللہ کے پیارے بندے مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے محبوبیت کی بنا پر بخشوائیں گے ۔

الف کی مثال یہ ہے ۔

۱ يَوْمَ لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ	وہ قیامت کا دن جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ دوستی نہ شفاعت ۔
۲ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ	اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑ دیں اور نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے اور نہ

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ٥	ان کی مدد ہو۔
۳۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ۔	پس نہ نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔
۴۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ	کیا کافروں نے اللہ کے مقابل سفارشی بنا رکھے ہیں
۵۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔	اور ظالموں کا نہ کوئی دوست، نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔
۶۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔	شفاعت کا اختیار نہیں سوا ان کے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔ جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔
۷۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ۔	اور نہ ظالموں کا کوئی دوست ہے نہ سفارشی

ان جیسی تمام آیتوں میں کفار کی شفاعت، بتوں کی شفاعت، جبری شفاعت کا انکار ہے۔ ان آیتوں کو نبیوں ولیوں یا مومنوں کی شفاعت سے کوئی تعلق نہیں۔

(ب) کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ	اور آپ انہیں دعا دیں بیشک آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے۔
۲۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔	وہ کون ہے جو رب کے نزدیک اس کی بے اجازت شفاعت کرے۔
۳۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا	لوگ شفاعت کے مالک نہیں سوا

مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا	ان کے جنہوں نے رب کے نزدیک عہد لے لیا ہے
۴۔ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ	یہ حضرات نہ شفاعت کریں گے مگر اس کی
ارْتَضٰى بِهِمْ۔	جس سے رب راضی ہوا (مومن کی)
۵۔ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ	شفاعت نفع نہ دے گی مگر ان کو جس کے
اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ	لئے رب نے اجازت دی اور اس کے
لَهٗ قَوْلًا۔	کلام سے رب راضی ہوا۔

ان جیسی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جو اللہ کے پیارے بندے کریں گے تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو۔

نوٹ ضروری:۔ جس حدیث میں ارشاد ہے کہ سنّت چھوڑنے والا شفاعت سے محروم ہے۔ اس سے بلندیٔ درجات کی شفاعت مراد ہے۔ یعنی اس کے درجے بلند نہ کرائے جائیں گے۔ کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ گناہ کبیرہ والوں کے لیئے شفاعت ہے۔ یعنی بخشش کی شفاعت۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے اپنے جانور اور مال کندھے پر لادے ہوئے حاضر بارگاہِ نبوی ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں۔ مگر انہیں شفاعت سے منع کر دیا جاویگا۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو زکوٰۃ کے منکر ہو کر کافر ہو گئے تھے۔ اور کافر کی شفاعت نہیں۔ جیسے خلافت صدیقی میں بعض لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے یا مراد ہے شفاعت نہ کرنا نہ کہ نہ کر سکنا۔ اس کا بہت خیال چاہیے۔ یہاں بہت دھوکا لگتا ہے۔

قاعدہ نمبر (۱۸)

(الف) جب غیر خدا کو پکارنے سے منع فرمایا جاوے۔ یا پکارنے والوں کی برائی بیان ہو تو اس پکارنے سے مراد معبود سمجھ کر پکارنا ہے۔ یعنی پوجنا۔

(ب) جہاں غیر خدا کو پکارنے کا حکم ہے یا اس پکارنے پر ناراضی کا اظہار نہ ہو۔ تو اس سے مراد بلانا یا پکارنا ہی ہوگا۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱؎ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کے سوا پوجے
۲؎ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا	اور اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پوجو۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں دعا کے معنی پوجنا ہے یعنی معبود سمجھ کے پکارنا نہ کہ محض پکارنا۔

(ب) کی مثال ان آیات میں ہے

۱؎ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔	اللہ کے سوا جس کو طاقت رکھتے ہو بلا لو۔
۲؎ وَادْعُوْاھُمْ لِاٰبَآءِ ھِمْ۔	پکارو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے،

ان جیسی صدہا آیات میں دعا کے معنی پکارنا یا بلانا ہے۔ اس کی پوری تحقیق پہلے باب میں دعا کی بحث میں گذر چکی۔ وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر (۱۹)

(الف) جب غیر خدا کو ولی بنانے سے منع کیا جائے یا ولی ماننے والوں پر ناراضگی

اور عتاب ہو یا ایسے کو مشرک کافر کہا جائے تو ولی سے مراد معبود۔ یا رب کے مقابل مددگار ہوگا۔ یا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔

(ب) جب غیر خدا کو ولی بنانے کا حکم دیا جاوے یا اس پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو تو ولی سے مراد دوست، مددگار باذن اللہ یا قریب ہوگا۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	اور ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔
۲۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	اللہ کے مقابل تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

ان جیسی صدہا آیتوں میں اللہ کے مقابل مددگار مراد ہے۔ ایسا مددگار ماننا کفر ہے۔ (ب) کی مثال ان آیات میں ہے

۱۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔	تمہارا مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
۲۔ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا	ہمارے لیے اپنی طرف سے دوست بنا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے مددگار بنا دے۔

ان جیسی بیشمار آیتوں میں اللہ کے اذن سے مددگار مراد ہیں۔ اس کی پوری تفصیل پہلے باب میں ولی کی بحث میں گذر چکی۔ وہاں مطالعہ کرو۔

قاعدہ نمبر (۲۰)

(الف) جہاں وسیلہ کا انکار ہے۔ وہاں بتوں کا وسیلہ یا کفار کے لئے وسیلہ مراد ہے۔ یا وہ وسیلہ مراد ہے۔ جس کی پوجا پاٹ کی جاوے۔

(ب) جہاں وسیلہ کا ثبوت ہے۔ وہاں رب کے پیاروں کا وسیلہ یا مومنوں کے لیئے وسیلہ مراد ہے۔ تاکہ آیتوں میں تعارض واقع نہ ہو۔

الف کی مثال یہ ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔	نہیں پوجتے ہیں ہم ان بتوں کو مگر اس لئے تاکہ وہ ہمیں خدا سے قریب کردیں۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کو جو اللہ کے دشمن ہیں۔ خدا رسی کا وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔ یعنی ان کے شرک کی وجہ دو ہیں۔ ایک دشمنان خدا کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھنا، دوسرے انہیں پوجنا۔ صرف وسیلہ اختیار کرنے کی وجہ سے مشرک نہ ہوئے

ب کی مثال یہ ہے۔

۱؎ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔	اس رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔
۲؎ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔	اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے حضور آجاویں پھر خدا سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پاویں“

۳۰۔ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔	اور وہ رسول انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔
۳۱۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔	فرماؤ کہ تمہیں موت دے گا وہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔"

ان جیسی تمام آیتوں میں وسیلہ کا ثبوت ہے مگر وہی وسیلہ مراد ہے جو اللہ کے اذن اور اجازت سے اس کا پیارا بندہ رب تک پہنچائے۔

نوٹ ضروری:۔ وسیلہ اسلام میں بڑی اہم چیز ہے۔ کیونکہ سارے کام موت پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر وسیلہ پکڑنا موت، قبر، حشر ہر جگہ ضروری ہے کہ حضور کے نام پر موت ہو۔ قبر میں ان کے نام پر کامیابی ہو۔ حشر میں ان کے طفیل نجات ہو۔ نیز اور اعمال کی ضرورت صرف انسانوں کو ہے۔ مگر وسیلہ کی ضرورت ہر مخلوق کو۔ دیکھو کعبہ معظّمہ حضور کے وسیلہ کے بغیر قبلہ نہ بنا۔ اور حضور کے ہاتھوں کے بغیر بتوں کی گندگی سے پاک نہ ہو سکا۔ وسیلہ کا انکار اسلام کے بڑے اہم مسئلہ کا انکار ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۱)

(الف) جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ کہ انسان کو صرف اپنے عمل ہی کام آویں گے۔ یا فرمایا گیا ہے کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کرے۔ اس سے مراد بدنی فرض عبادتیں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ قابلِ اعتماد اپنے اعمال ہیں کسی کے بھیجنے کا یقین نہیں۔

(ب) جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ کہ دوسروں کی نیکی اپنے کام آتی ہے۔
اس سے مراد اعمال کا ثواب ہے یا مصیبت دور ہونا یا درجے بلند ہونا۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی۔	نہیں ہے انسان کیلئے مگر وہ جو کوشش کرے
۲۔ لَهَا مَاكَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَااكْتَسَبَتْ۔	اس نفس کیلئے مفید ہیں وہ عمل جو خود کرے اور اس کو مضر ہیں وہ گناہ جو خود کرے ؛

ان دونوں آیتوں کا منشا یہ ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھ سکتا۔ فرضی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ ان آیتوں میں اسی لئے سعی اور کسب کا ذکر ہے یا منشا یہ ہے۔ کہ اپنی ملکیت انہی عملوں پر ہے جو خود کر لئے جاویں۔ کیا خبر کوئی دوسرا ثواب بھیجے یا نہ بھیجے۔ اس کے بھروسہ پر خود غافل رہنا بیوقوفی ہے۔

ب کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا۔	حضرت خضر نے فرمایا۔ کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور ان کا باپ نیک تھا۔ پس تمہارے رب نے چاہا کہ یہ بالغ ہوں تو اپنا خزانہ نکالیں۔
۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ	اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے

عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ | عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی۔"

پہلی آیت سے معلوم ہوا۔ کہ جس گرتی ہوئی دیوار کی مرمت حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام نے کی۔ وجہ صرف یہ تھی۔ کہ اس کے نیچے خزانہ تھا۔ جو ایک نیک آدمی کا تھا۔ اس کے دو چھوٹے بچے تھے۔ رب تعالےٰ نے چاہا کہ دیوار کھڑی رہے اور خزانہ محفوظ رہے۔ تاکہ بچے جوان ہو کر نکال لیں۔ اس لئے دو پیغمبروں کو اس کی مرمت کے لئے بھیجا۔ ان نابالغ یتیموں پر یہ مہربانی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ہوئی۔

دوسری آیت سے معلوم ہوا۔ کہ نیکوں کی مومن اولاد جنت میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے گی۔ اگرچہ اولاد کے اعمال باپ سے کم درجہ کے ہوں۔ ایسے ہی نابالغ بچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان حضرت طیب وطاہر وقاسم و ابراہیم جنت میں حضور کے ساتھ ہوں گے۔ حالانکہ کوئی نیکی نہ کی۔ معلوم ہوا۔ کہ کسی کی نیکی دوسرے کے کام آجاتی ہے اسی وجہ سے ایصالِ ثواب، فاتحہ وغیرہ کرتے ہیں۔ بلکہ حج بدل بھی دوسرے کی طرف سے کر سکتے ہیں۔ اور زکوٰۃ میں دوسرے کے نائب بن سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر (۲۲)

(الف) جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ کہ قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ اس سے مطلب ہے کہ بخوشی نہ اٹھائے گا۔ یا اس طرح نہ اٹھائیگا جس سے مجرم آزاد ہو جائے گا۔

(ب) جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں بعض لوگ بعض کا بوجھ اٹھائینگے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مجبوراً اٹھائیں گے۔ یا یہ بھی اٹھائیں گے اور مجرم بھی۔ یہ تو اٹھائیں گے گناہ کرانے کی وجہ سے اور مجرم بوجھ اٹھائے گا۔ گناہ کرنے کی وجہ سے۔

الف کی مثال یہ آیت ہے:۔

۱۔ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔

اور نہ کمائے گا کوئی نفس مگر اپنے ذمہ پر اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

۲۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے لئے کرو گے اور اگر برا کرو گے تو اپنا۔

۳۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا۔

جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا۔ اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا۔

۴۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اور کافر مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اٹھائیں گے۔ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

۵۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

اسی جماعت کے لئے وہ ہے جو وہ

كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○	خود کما گئی۔ تمہارے سے تمہاری کمائی ہے اور تم ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاؤ گے۔"

ان تمام آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ کسی کی پکڑ دوسرے کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اور کوئی کسی کا نہ گناہ اٹھائے۔ نہ نیکی سے فائدہ پائے۔ بلکہ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے۔

ب کی مثال یہ ہے:۔

۱۔ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○	اور بیشک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے جائینگے جو کچھ بہتان اٹھاتے تھے۔
۲۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔	اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔
۳۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔	اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں سے خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔
۴۔ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ۔	تم قرآن کے پہلے کافر نہ بنو۔

ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ قیامت میں بعض گنہگار دوسرے مجرموں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے۔ اور یہ بھی پتہ لگا۔ کہ بعض کے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں بھی دوسروں پر مصیبت آجاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اپنی نجات

کے لیئے اپنے گھر والوں کو ہدایت دینا ضروری ہے۔ مطابقت اسی طرح ہو گی۔ جو ہم نے عرض کر دیا۔ کہ بخوشی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور کوئی دوسرے کا بوجھ اس طرح نہ اٹھائے گا۔ کہ اصلی مجرم بالکل آزاد ہو جائے۔ ہاں گمراہ کرنیوالا بری باتوں کا موجد سارے مجرموں کا بوجھ اٹھائے گا۔ یہ ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔

قاعدہ نمبر (۲۳)

جن آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ کہ رسولوں میں فرق نہ کرو۔ وہاں ایمان میں فرق کرنا مراد ہے۔ یعنی ایسے فرق نہ کرو کہ بعض کو مانو اور بعض کو نہ مانو۔ یا مراد یہ ہے۔ کہ اپنی طرف سے فرق پیدا نہ کرو۔ یعنی ان کے فضائل اپنی طرف سے نہ گھٹاؤ۔ یا ایسا فرق نہ کرو۔ جس سے بعض پیغمبروں کی توہین ہو جاوے۔

(ب) جن آیتوں میں فرمایا گیا۔ کہ پیغمبروں میں فرق ہے۔ وہاں درجات اور مراتب کا فرق مراد ہے۔ یعنی بعض کے درجے بعض سے اعلیٰ ہیں۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔	مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔
۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ	اور جو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی میں فرق نہ کرے یہ وہ ہیں جنہیں

اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔	رب ان کا ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیتوں میں ایمان کا فرق مراد ہے۔ یعنی بعض پیغمبروں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ کفر ہے۔ ایمان کے لئے سب نبیوں کو ماننا ضروری ہے اس کی تفسیر اس آیت نے کی۔

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔	بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسکے درمیان میں رستہ بنالیں۔

اس آیت نے بتایا۔ کہ پیغمبروں کے درمیان ایمان لاتے میں فرق کرنا منع ہے۔

ب کی مثال یہ ہے۔

۱۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط	یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ان میں سے وہ ہی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض وہ ہیں جنہیں درجوں میں بلند کیا۔
۲۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	اے نبی ہم نے آپ کو بھیجا گواہ خوشخبریاں دیتا اور ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ○	کے اذن سے بلاتا اور چمکانے والا سورج ؎
۳- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○	اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کی رحمت ؎

ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ بعض پیغمبر بعض سے افضل ہیں اور خصوصًا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سارے رسولوں میں ایسے ہیں۔ جیسے تاروں میں سورج اور سارے جہان کی رحمت ہیں۔ یہ صفات اوروں کو نہ ملیں۔

نوٹ ضروری۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہم کو یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو۔ اور بعض میں آیا ہے کہ ہم تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ ان احادیث میں مطابقت اسی طرح ہے کہ ایسی بزرگی دینا جس سے یونس علیہ السلام کی توہین ہو جاوے منع ہے۔ اور اس طرح حضور کی شان بیان کرنا کہ ان حضرات کی عظمت برقرار رہے اور حضور کی شان معلوم ہو جائے۔ بالکل جائز بلکہ ضروری ہے

قاعدہ نمبر (۲۴)

(الف) قرآن شریف میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے۔ کہ مجھے خبر نہیں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ وہاں اٹکل حساب قیاس اندازے سے جاننا مراد ہے۔ یعنی میں اندازے یا قیاس سے

یہ نہیں جانتا۔

(ب) اور جہاں اس کے خلاف ہے وہاں وحی، الہام کے ذریعہ سے علم دینا مراد ہے۔

الف کی مثال یہ ہے۔

وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔	اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا۔ اور تمہارے ساتھ کیا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے معاملات نجوم، رمل، قیاس، حساب، اٹکل سے معلوم نہیں ہو سکتے ہیں باوجودیکہ پیغمبر ہوں اور پیغمبر کی عقل تمام دنیا سے بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔ لیکن میری کامل عقل ان باتوں کے جاننے کے لئے کافی نہیں۔ میں بھی عقل سے یہ چیزیں نہیں جانتا۔ تو تم کیسے جان سکتے ہو۔ مجھے یہ علم وحی کے ذریعہ ہوا۔ اور تم صاحب وحی نہیں ہو تو ایسی باتوں میں عقل پر زور نہ دیا کرو۔ اس کی تفسیر اسی آیت کے آخر میں یوں ہو رہی ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔	میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔

معلوم ہوا۔ کہ آخرت کی پکڑ اور نجات وغیرہ وحی سے معلوم ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آتی ہے اس لئے اس آیت میں درایت کی نفی کی گئی۔ درایت کے معنی عقل سے جاننا، خدا تعالےٰ کے علم کو درایت نہیں کہتے۔

کیونکہ وہ عقل سے پاک ہے۔ اس کا علم عقلی نہیں حضوری ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ۝	اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ ایمان تفصیل وار۔

اس آیت کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور ایمان کو عقل، قیاس اندازے سے معلوم نہ فرمایا۔ بلکہ اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ یہاں بھی درایت کی نفی ہے۔ نہ کہ مطلق علم کی۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے عبادات کرتے تھے ایمان سے خبردار تھے۔ عیسٰی علیہ السلام کا ماں کی گود میں توحید، رسالت، احکام سے واقف ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے اپنی پیدائش سے چند گھنٹے بعد قوم سے فرمایا۔

قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا۔ الآیۃ۔	فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اس نے کتاب دی اور نبی فرمایا۔ (الخ)

جب کلمۃ اللہ صلوات اللہ علیہ وسلمہ، بچپن میں رب سے بے خبر نہیں۔ تو جو حبیب اللہ ہوں وہ کیسے بے خبر ہوں گے۔ لہٰذا اس آیت کے معنی وہ ہی ہیں جو عرض کیے گئے۔ یعنی قیاس سے معلوم کرنا۔

ب کی مثال اس آیت میں ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔	تاکہ بخشدے اللہ تعالیٰ تمہارے طفیل تمہارے وہ گناہ جو اگلے ہیں اور جو پچھلے ہیں۔

یہاں تمہارے گناہ سے مراد امت کے وہ گناہ ہیں جن کا بخشوانا حضور کے ذمہ کرم پر ہے۔ جیسے وکیل کہتا ہے۔ میرا مقدمہ فتح ہوگیا۔ یعنی وہ مقدمہ جسکی پیروی میرے ذمہ ہے۔ نہ یہ مطلب کہ میں اس میں گرفتار ہوں۔ کیونکہ نبی گناہ سے معصوم ہیں۔

۱۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔	ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔
۲۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔	ہم نے تمہارا ذکر اونچا کر دیا۔

ان جیسی بہت سی آیات سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انجام سے باخبر کئے گئے ہیں مگر یہ علم وحی کا ہے۔ نہ کہ محض عقلی۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ حضور تو اپنی امت کے انجام کی بھی خبر رکھتے ہیں قرآن میں حضور کو شاہد فرمایا۔ اور گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ سے خبردار ہو۔ اسی لئے فرمایا۔ حسن حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ابوبکر جنتی ہیں۔ فاطمۃ الزہرہ جنتی ہیں۔

قاعدہ نمبر (۲۵)

الف: جن آیات میں فرمایا گیا ہے۔ کہ نبی ہدایت نہیں کرتے وہاں مراد ہے اللہ کی مرضی کے خلاف اس کے مقابل ہدایت نہیں کرتے۔ کہ رب چاہے کسی کو گمراہ کرنا، اور نبی ہدایت کر دیں یہ ناممکن ہے۔

(ب) جہاں فرمایا گیا ہے کہ نبی ہدایت کرتے ہیں۔ وہاں مراد ہے باذن الٰہی ہدایت کرتے ہیں۔

الف کی مثال یہ ہے۔

١١ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○	بیشک تم ہدایت نہیں کرتے جسے محبت کرو۔ لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

لطیفہ: اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے أَحْبَبْتَ فرمایا۔ اور اللہ کے لئے یَشَآءُ فرمایا یا دونوں جگہ أَحْبَبْتَ، یا دونوں جگہ یَشَآءُ نہیں بولا گیا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق ہی سے محبّت فرماتے ہیں۔ کیونکہ رحمت للعالمین ہیں۔ اور آپ کو پسند ہے کہ سب کو ہی ہدایت ملے۔ مگر آپ کی اس محبّت پر ہدایت نہیں ملتی۔ لیکن آپ اسی کی ہدایت چاہتے ہیں۔ جس کی ہدایت رب چاہے۔ جو فنافی اللہ ہو وہ اپنی مشیت رب کی مشیت میں فنا کر دیتا ہے۔ اس کے بغیر چاہے چاہتا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ بھی ربوبیت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ رب العالمین ہے۔ اسی لئے ہادی بھیجے۔ مگر چاہتا اس کی ہدایت ہے۔ جس کی ہدایت میں حکمت ہے۔ تو ہدایت نہ حضور کی محض محبّت سے ملتی ہے نہ اللہ کی محض محبّت سے۔ ہاں رب کے ارادہ سے اور پھر حضور کے ارادے سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

١٢ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	اور اگر ان کفار کا پھرنا آپ پر شاق گذرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کیلئے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا

لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔	تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا پس تم نادان نہ بنو۔
۳۔ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔	آپ پر ان کی ہدایت نہیں لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے ؎

ان جیسی تمام آیتوں میں رب کے خلاف مرضی ہدایت دینا مراد ہے۔ یہ نہ نبی سے ممکن ہے نہ قرآن سے۔

ب کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	اور تم اے محبوب ہدایت کرتے ہو سیدھے راستے کی۔
۲۔ اِنَّ الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ۔	بیشک قرآن ہدایت دیتا ہے اس راستہ کی جو سیدھا ہے۔
۳۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔	وہ نبی مسلمانوں پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں ؎
۴۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى۔	ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کیلئے ہدایت اور راہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں ؎

ان جیسی تمام آیات میں جن میں قرآن یا توریت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی فرمایا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد اللہ کی مرضی سے راہ دکھانا ہے۔

قاعدہ نمبر (۲۶)

(الف) جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام ہے۔ وہاں ذبح کے وقت کسی کا نام پکارنا مراد ہے۔

(ب) جن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ غیر خدا کے نام پر پکارا ہوا جانور حرام نہیں ہے۔ حلال ہے۔ ان میں زندگی کی حالت میں کسی کا نام پکارنا مراد ہے۔ جیسے بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور یا زید کی بکری۔ عبدالرحیم کی گائے۔

الف کی مثال یہ ہے۔

۱۔ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔	اور حرام ہے وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔
۲۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔	اور تمہارا کیا حال ہے کہ وہ جانور نہیں کھاتے جس پر بوقت ذبح خدا کا نام پکارا گیا۔
۳۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ	اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔

ان تمام آیتوں میں اس جانور کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے جو کسی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے کہ حرام کرنے والی یہ ہی چیز ہے۔

ب کی مثال یہ ہے۔

۱۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ	نہیں مقرر کیا اللہ نے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔	ہیں ؎

یہ جانور جو اس آیت میں مذکور ہوئے ۔ مشرکین عرب کی طرف سے بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے ۔ یعنی زندگی میں ان پر غیر خدا کا نام پکارا جاتا تھا ۔ اور مشرکین انہیں حرام سمجھتے تھے ۔ ان کے حرام سمجھنے کی تردید اس آیت میں کر دی گئی ہے ۔ اور انہیں حلال فرمایا گیا ۔ لہٰذا آج مشرکین کے چھوڑے ہوئے بجار حلال ہیں ۔ اللہ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ ۔

قاعدہ نمبر (۲۷)

(الف) جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے ۔ کہ میں اپنے اور تمہارے نفع کا مالک نہیں ہوں ۔ وہاں اللہ کے بغیر مرضی ملکیت مراد ہے ۔

(ب) جہاں فرمایا گیا ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کر دیتے ہیں ۔ وہاں بعطاء الٰہی اللہ ارادے سے غنی کرنا اور دینا مراد ہے ۔

الف کی مثال یہ ہے ۔

۱۔ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ۔	تم فرماؤ کہ میں اپنی جان کے بھلے اور برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے
۲۔ وَمَآ اُغْنِىْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَىْءٍ ۔	اور میں تم سے دفع نہیں کر سکتا اللہ کے مقابل کوئی چیز ۔
۳۔ مَا كَانَ يُغْنِىْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ اِلَّا حَاجَةً	اور یعقوب نہیں دفع کر سکتے تھے ان سے اللہ کی کوئی مصیبت مگر یعقوب کے

فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ ۔	دل کی حاجت تھی جو پوری کردی ۔

ان جیسی تمام آیتوں میں یہ مراد ہے کہ رب تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہیں کچھ نہیں کر سکتا ۔ ہر چیز میں اس کی اجازت کا حاجتمند ہوں ۔

ب کی مثال یہ ہے ۔

۱۔ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔	غنی کر دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ۔
۲۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔	اور اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا ۔
۳۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ ۔	جب آپ کہتے تھے اس سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے اسے نعمت دی کہ اپنی بیوی کو روکو ۔

ان آیتوں سے پتہ لگا ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کرتے ہیں ۔ نعمت دیتے ہیں ۔ ان میں یہ ہی مراد ہے کہ اللہ کے حکم ، اللہ کے ارادہ اور اذن سے نعمتیں بھی دیتے ہیں اور فضل بھی کرتے ہیں ۔ لہٰذا دونوں قسم کی آیتوں میں تعارض نہیں ۔

قاعدہ نمبر (۲۸)

(الف) جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم ہو تو رفع کے معنی ہوں گے اونچی جگہ میں اٹھانا ، چڑھانا ۔ اونچا کرنا ۔

(ب) جب رفع کا مفعول کوئی زمینی جسم نہ ہو تو اس کے معنی ہوں کے روحانی بلندی۔ مرتبہ کا اونچا ہونا۔ الف کی مثال یہ آیات ہیں۔

۱؎ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔	اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں سے تمہیں پاک کرنیوالا ہوں۔
۲؎ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ۔	اور اٹھا لیا یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر
۳؎ وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ۔	اور ہم نے بنی اسرائیل کے اوپر طور پہاڑ اٹھا لیا۔
۴؎ وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ۔	اور جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے۔

ان آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول عیسیٰ علیہ السلام یا یوسف علیہ السلام کے والدین یا طور پہاڑ یا کعبہ کی دیوار ہے اور یہ سب زمینی جسم ہیں۔ لہٰذا ان میں رفع کے معنی ہونگے بلند جگہ میں پہنچانا۔ اٹھانا۔ اونچا کرنا۔ درجے بلند کرنا مراد نہ ہوگا۔

ب کی مثال یہ آیت ہے۔

۱؎ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِکْرَكَ۔	ہم نے آپ کا ذکر اونچا کر دیا۔
۲؎ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔	ان پیغمبروں میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔ اور بعض کے درجے اونچے کیے۔
۳؎ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ۔	ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور ان میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

ان تمام آیتوں میں چونکہ رفع کا مفعول زمینی جسم نہیں ہے۔ بلکہ ذکر یا درجے یا خدا کا نام ہے۔ اس لئے یہاں مکانی بلندی مراد نہ ہوگی۔ بلکہ روحانی بلندی مراد ہے۔ کیونکہ یہ ہی اس کے لائق ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو آیت آئی اِنِّیْ رَافِعُکَ۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم تمہیں آسمان پر اٹھانے والے ہیں۔ یہ نہیں کہ تمہارے درجے بلند کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام زمینی جسم ہیں اور جسم کے لئے بلندی مکانی مناسب ہے،

اعتراض:۔ اگر اس آیت میں مکانی بلندی مراد ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ یعنی آسمانوں میں رہتا ہو۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ رَافِعُکَ اِلَیَّ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ خدا کی طرف کونسی ہے؟

جواب۔ یہاں خدا کی طرف اٹھانے سے مراد آسمان کی طرف اٹھانا ہے۔ کیونکہ اگرچہ زمین و آسمان ہر چیز خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ لیکن آسمان خصوصیّت سے تجلّی گاہ الٰہی ہے۔ کہ نہ وہاں کسی کی ظاہری بادشاہت ہے نہ کفر و شرک و گناہ۔ لہٰذا آسمان پر جانا گویا خدا کے پاس جانا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ اَءَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ وہ مجھے ہدایت کرے گا۔ حالانکہ آپ شام کے ملک میں جا رہے تھے۔ مگر چونکہ شام آپ کا عبادت گاہ تھا۔ اس لئے وہاں جانا رب کے پاس جانا قرار دیا گیا۔ اسی لئے مسجدوں کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ خدا وہاں رہتا نہیں۔ مگر چونکہ وہاں کسی کا کام نہیں ہوتا اور نہ مسجد کسی انسان کی ملک ہے۔ لہٰذا وہ خدا کا گھر ہے

اعتراض:۔ اس آیت میں فرمایا گیا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ ۔ میں تمہیں وفات دوں گا اور اٹھاؤں گا ۔ یہاں وفات کا ذکر پہلے ہے ۔ اور اٹھانے کا ذکر بعد میں ۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت کے بعد اٹھایا گیا نہ کہ موت سے پہلے ۔ (قادیانی)

جواب:۔ اگر یہاں وفات کے معنی موت مان لیے جائیں تو بھی واؤ کیلئے ترکیب لازم نہیں ۔ بہت جگہ ترتیب کے خلاف ہوتا ہے ۔ لہذا یہاں معنی یہ ہوئے کہ میں پہلے تمہیں اٹھاؤں گا پھر موت دوں گا ۔ جیسا کہ ان آیتوں میں ہے ۔

۱۔ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ ۔	اے مریم تم سجدہ کرو اور رکوع کرو ۔
۲۔ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔	اللہ نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے ۔
۳۔ فَمُوْتُ وَنَحْیَا ۔	ہم مریں گے اور جئیں گے ۔
۴۔ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی	اللہ نے پیدا کیا زمین کو اور اونچے آسمانوں کو ۔
۵۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ ۔	اس اللہ نے پیدا کیا موت اور زندگی کو ۔
۶۔ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۔	اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے تھے ۔

ان تمام آیتوں میں واؤ ترتیب کے خلاف ہے ۔ ایسے ہی اس آیت میں ہے ۔ اور اگر واؤ یہاں ترتیب بنائے تب مُتَوَفِّیْكَ ۔ میں جو وفات یا توفی مذکور ہے ۔ اس سے موت مراد نہیں ۔ سلانا یا پورا لینا مراد ہے ۔ قرآن شریف میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اے عیسیٰ

میں تمہیں سلاکر اپنی طرف اٹھاؤں گا یا میں تمہیں پورا پورا جسم مع روح اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى۔ یہاں وفی کے معنی ہیں پورا کیا فرماتا ہے۔ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ۔ یہاں وفات کے معنی سلانا ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو رات میں سلا دیتا ہے۔ وہی معنی یہاں مراد ہیں۔

قاعدہ نمبر (۲۹)

(الف) جن آیتوں میں خدا کے سوا دوسرے سے ڈرنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ یا فرمایا گیا۔ کہ صرف اللہ ہی سے ڈرو۔ وہاں عذاب کا خوف حساب ڈر۔ پکڑ کا خوف۔ الوہیت اور کبریائی کا خوف مراد ہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ ڈرو یا رب تعالیٰ کے مقابل کسی سے خوف نہ کرو۔

(ب) جن آیتوں میں دوسرے سے ڈرنے کا حکم دیا گیا یا فرمایا گیا۔ کہ فلاں پیغمبر فلاں سے ڈرے۔ وہاں تکلیف کا ڈر، ایذا پہنچانے کا خوف یا فتنہ کا خوف مراد ہے۔ تاکہ آیتوں میں تعارض نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ کبریائی کی ہیبت مومن کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی چاہیئے۔ اور دوسری قسم کے فتنہ تکلیف کا خوف مخلوق کا ہوسکتا ہے۔

الف کی مثال یہ آیات ہیں۔

۱ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝	تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

۲۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۔	پس ان کافروں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو
۳۔ اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۔	جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ۔
۴۔ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔	پس ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو ۔
۵۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝	خبردار ہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ۔

ان جیسی تمام وہ آیتیں جن میں غیر خدا سے ڈرنے کی ممانعت ہے ۔ ان میں الوہیت کا خوف مراد ہے ۔ یا مخلوق کا وہ خوف جو رب کی اطاعت سے روک دے یہ ڈر ممنوع ہے ۔

ب کی مثال یہ آیات ہیں ۔

۱۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۔	تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے ڈرتے رہو ۔
۲۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۔	حضرت موسیٰ و ہارون نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کریگا یا سرکشی
۳۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۔	پھر موسیٰ نے اس لاٹھی کو دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈرو ۔

۴۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی	موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے۔
۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝	کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے رب میں نے ان میں ایک آدمی مار ڈالا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔
۶۔ فَاَوْجَسَ مِنْہُمْ خِیْفَۃً ط قَالُوْا لَا تَخَفْ۔	تو ابراہیم اپنے دل میں ان فرشتوں سے ڈر گئے وہ بولے آپ ڈریئے نہیں ؕ

ان جیسی بہت سی وہ آیتیں جن میں مخلوق سے ڈرنے کا حکم ہے۔ یا ان سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ ان میں وہی خوف مراد ہے۔ جو عرض کیا گیا۔ یعنی تکلیف کا خوف یا فتنہ کا ڈر۔ اس قسم کے ڈر نہ ایمان کے خلاف ہیں۔ اور نہ ولایت اور نبوّت کے منافی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نبی ہیں۔ مگر سانپ سے، فرعون سے، ملائکہ سے خوف فرماتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء اور اولیاء اللہ سے خوف کرنا کہ یہ ناراض ہو کر بددعائیں دیں گے اور ہم کو نقصان پہنچ جائے گا۔ ایمان کے خلاف نہیں۔ بلکہ ایمان کو قوی کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے فرعونیوں کا بیڑا غرق ہوا۔ نوح علیہ السلام کی بددعا سے ساری دنیا کے کافر ہلاک کر دیئے گئے۔ معلوم ہوا۔ کہ ان کی بددعا خطرناک ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے بغیر کسی بندے کی بددعا کے کسی کو ہلاک نہ کیا ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد ❊ تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

قاعدہ نمبر (۳۰)

(الف) جن آیتوں میں نبی سے کہلوایا گیا ہے کہ ہم تم جیسے بشر ہیں۔ وہاں مطلب یہ ہے کہ خالص بندے ہونے میں تم جیسے بشر ہیں۔ کہ جیسے تم نہ خدا ہو نہ خدا کے بیٹے، نہ خدا کے ساجھی شریک۔ ایسے ہی ہم نہ خدا ہیں، نہ اس کے بیٹے نہ اس کے ساجھی خالص بندے ہیں۔

(ب) جن آیتوں میں نبی کو بشر کہنے پر کفر کا فتوےٰ دیا گیا ہے اور انہیں بشر کہنے والوں کو کافر کہا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ جو نبی کی ہمسری اور برابری کا دعوےٰ کرتے ہوئے انہیں بشر کہے یا انکی اہانت کرنے کیلئے بشر کہے یا یوں کہے کہ جیسے ہم محض بشر ہیں نبی نہیں ایسے ہی تم نبوت سے خالی ہو محض بشر ہو۔ وہ کافر ہے۔

الف کی مثال یہ ہے۔

١ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔

فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں کہ میری طرف وحی کی گئی۔

٢ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تو تمہاری طرح انسان ہیں۔ مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

ان جیسی تمام آیات میں یہی مراد ہے کہ ہم الٰہ نہ ہونے میں اور خالص بندہ ہونے میں تم جیسے بشر ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عام انسان پیغمبر کے برابر ہو جاویں۔ ان آیات کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

١ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ

اور نہیں ہے کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا

اَمْثَالُكُمْ۔	ہو۔ مگر تم جیسی اُمتیں ہیں،
۲۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔	اس اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔

ان آیتوں میں تمام جانوروں کو انسانوں کی مثل فرمایا گیا۔ حالانکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو طاق اور چراغ سے مثال دی گئی۔ حالانکہ کہاں طاق اور چراغ اور کہاں رب کا نور۔ جیسے ان دونوں آیتوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم جانوروں کی طرح یا رب کا نور طاق اور چراغ کی طرح اسیطرح نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نبی کے برابر یا انکی طرح ہیں۔ یہ تمثیل فقط سمجھانے کے لئے ہے۔

ب کی مثال یہ ہے۔

۱۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا فَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ۔	پس کافر بولے کیا بشر ہمیں ہدایت کریگا لہٰذا وہ کافر ہو گئے پھر وہ پھر گئے اور اللہ بے پرواہ ہے
۲۔ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝	شیطان نے کہا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں۔ جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ لیسدار گارے سے تھی۔
۳۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔	تو جس قوم کے سرداروں نے کفر کیا وہ بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی،
۴۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝	کفار نے کہا کہ اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو گے تو تم ضرور گھاٹے میں رہو گے،
۵۔ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا	فرعونی بولے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ آدمیوں پر اور انکی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے۔

ان جیسی تمام آیتوں میں فرمایا گیا کہ پیغمبر کو بشر کہنا اولاً شیطان کا کام تھا۔ پھر ہمیشہ کفار نے کہا۔ مومنوں نے یہ کبھی نہ کہا اور ان کفار کے کفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ انبیاء سے برابری کے دعویدار ہو کر انہیں اپنی طرح بشر کہتے تھے۔

نوٹ ضروری :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا بارہا اپنی بندگی اور بشریت کا اعلان کرنا اس لئے تھا۔ کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام میں دو معجزے دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ایک تو ان کا بغیر باپ پیدا ہونا۔ اور دوسرے مُردے زندہ کرنا۔ مسلمانوں نے صدہا معجزے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھے۔ چاند پھٹتا ہوا۔ سورج لوٹتا ہوا دیکھا۔ کنکر کلمہ پڑھتے دیکھے۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے بہتے دیکھے۔ اندیشہ تھا کہ وہ بھی حضور کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیں۔ اس احتیاط کے لئے بار بار اپنی بشرّیت کا اعلان فرمایا۔



تیسرا باب

مسائل قرآنیہ

اس باب میں ان ضروری مسائل کا ذکر ہوگا۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ قرآن شریف سے صراحتۃً ثابت ہے۔ اور ان کے ثبوت میں صرف قرآنی آیات ہی پیش کی جاویں گی۔ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل قبول فرمائے۔

مسئلہ نمبر (۱)

کرامات اولیاء اللہ حق ہیں،

جو عجیب و غریب حیرت انگیز کام نبی سے صادر ہو تو اگر نبوت کے ظہور سے پہلے صادر ہوئی وہ ارہاص ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن شریف میں کلام فرمانا، یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کنکروں پتھروں کا بچپن میں سلام کرنا۔ اگر ظہور نبوّت کے بعد ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا چاند کو چیرنا، سورج کو واپس لانا۔ اور جو ولی سے صادر ہو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اور جو عجیب وغریب کام کافر سے ہو وہ استدراج کہلاتا ہے جیسے دجّال کا پانی برسانا۔ مردے

زندہ کرنا۔ ابھی تک اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا پیدا نہیں ہوا۔ جو معجزات کا انکار کرتا ہو۔ قادیانی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ صرف اس لئے کہ ان کے مسیح موعود میں کوئی معجزہ نہیں تو وہ کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اصلی مسیح میں کوئی معجزہ نہ تھا اس لئے ان کے مثل مسیح میں کوئی معجزہ نہیں۔ ورنہ معجزات کے وہ بھی قائل ہیں۔ خود قرآن کریم کو حضور کا معجزہ مانتے ہیں۔ ہاں بہت لوگ کرامات اولیاء اللہ کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے۔ کہ ساری کرامات گھڑے ہوئے قصے کہانی ہیں۔ قرآن سے ثبوت نہیں۔ ہم وہ آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔ جن میں کرامات کا صریح ذکر ہے۔

۱؎ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔

جب مریم کے پاس ذکریا علیہ السلام آتے تو بے موسم پھل پاتے تو کہا اے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آئے تو بولیں یہ رب کے پاس سے آئے ہیں۔

حضرت مریم بنی اسرائیل کی ولیہ ہیں۔ ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ مقفل کوٹھڑی میں بے موسم پھل انہیں غیب سے عطا ہوئے۔ یہ کرامت ولی ہے۔

۲؎ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۔

اصحاب کہف غار میں تین سو برس ٹھیرے نو اوپر۔

اصحاب کہف نبی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ولی ہیں۔ ان کی کرامت یہ بیان ہوئی کہ غار میں تین سو نو برس سوتے رہے۔ اتنا عرصہ بے غذا سونا

اور فنا نہ ہونا کرامت ہے۔

۱۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ۔

اور تم اُنہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم انہیں داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور انکا کتا اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر ہے۔

اس آیت میں اصحابِ کہف جو اولیاء اللہ ہیں۔ ان کی تین کرامتیں بیان ہوئیں۔ ایک تو جاگنے کی طرح اب تک سونا۔ دوسرے رب کی طرف سے کروٹیں بدلنا اور زمین کا ان کے جسموں کو نہ کھانا اور بغیر غذا باقی رہنا۔ تیسرے ان کے کتے کا اب تک لیٹے رہنا یہ بھی ان کی کرامت ہے نہ کہ کتے کی۔

۲۔ وَقَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔

اور بولا وہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں تختِ بلقیس آپکے پاس لے آؤں گا۔ آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے۔

اس آیت میں آصف بن برخیا کے جو بنی اسرائیل کے نبی نہیں بلکہ ولی ہیں۔ کئی کرامتیں بیان ہوئیں۔ بغیر کسی کے پوچھے یمن پہنچ جانا۔ وہاں سے اتنا وزنی تخت لے آنا۔ اور یہ دور دراز سفر شام سے یمن تک جانا آنا ایک آن میں طے کر لینا۔

۳۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ

دونوں موسیٰ و خضر علیہم السلام چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو خضر نے کشتی کو توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اسلئے توڑ

شَیْئًا نُّکْرًا۔ | دیا کہ کشتی والے ڈوب جائیں ؛

اس آیت کریمہ میں خضر علیہ السّلام جو کہ غالباً کسی قوم کے ولی ہیں۔ ان کی یہ کرامت بیان کی کہ انہوں نے کشتی توڑ ڈالی۔ مگر کشتی نہ ڈوبی۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

۱؎ وَاَمَّا الْغُلَامُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَا اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا۔ | حضرت خضر نے فرمایا کہ اس بچے کے ماں باپ مومن ہیں۔ ہم نے خوف کیا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر چڑھا دے ؛

اس آیت میں حضرت خضر کی یہ کرامت بیان ہوئی۔ کہ انہوں نے مقتول بچے اور اس کے والدین کے انجام کو جان لیا کہ وہ مومن رہیں گے اور یہ کافر ہوگا حالانکہ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔

۲؎ وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا۔ | خضر نے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ ہے اور انکا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت میں خضر علیہ السّلام کی یہ کرامت بیان ہوئی۔ کہ انہوں نے زمین کے نیچے کا دفینہ معلوم کر لیا۔

ان جیسی بہت سی آیات میں اولیاء اللہ کی کرامات بیان ہوئیں۔ ان کا علم غیب طی الارض یعنی بہت جلد سفر طے کرنا۔ بے آب و غذا بہت عرصہ زندہ رہنا، غرضیکہ بہت کرامات کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر (۲)

اللہ کے مقبول بندے باذنِ الٰہی مشکلکشا حاجت روا دافع بلا ہیں

اللہ کے پیارے اللہ کے حکم سے بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ مشکلیں حل کرتے ہیں۔ قرآن کریم اس کا اعلان فرما رہا ہے۔ دور و نزدیک ہر جگہ سے مافوق الاسباب مشکل کشائی اور مدد کرتے ہیں۔

۱۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔

میرا یہ کرتہ لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈال دو۔ انکی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۲۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔

پھر جب خوشی سنانے والا آیا۔ تو وہ قمیص یعقوب کے منہ پر ڈال دی۔ اسی وقت اُنکی آنکھیں لوٹ آئیں۔

یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے تھے۔ انکی اس مصیبت کو یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کے ذریعہ دور فرمایا اور ان کی مشکل کشائی کی۔ قمیص سے شفا دینا مافوق الاسباب مدد ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔

اور بیشک زلیخا نے قصد کر لیا یوسف کا اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔

یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ تو آپ نے سامنے یعقوب علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ آپ اشارے

سے منع فرمارہے ہیں۔ جس سے آپ کے دل میں اُدھر میلان نہ پیدا ہوا۔ یہ رب تعالےٰ کی برہان تھی۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ تو یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے بیٹھے ہوئے مصر کی بند کوٹھڑی میں یوسف علیہ السلام کی یہ مدد کی کہ انہیں بڑی آفت اور ارادہ گناہ سے بچالیا۔ یہ ہے اللہ والوں کی مشکل کشائی اور مافوق الاسباب امداد

۱۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔	عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ کے حکم سے شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

اندھا کوڑھی ہونا بلا ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے دفع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے پیارے دافع البلاء ہوتے ہیں یعنی مافوق الاسباب مشکل کشائی فرماتے ہیں۔

۲۔ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔	ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارو۔ پس فوراً اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

بنی اسرائیل تیہ کے میدان میں پیاس کی آفت میں پھنسے تو رب تعالیٰ نے براہ راست انہیں پانی نہ دیا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ آپ ان کے لئے دافع البلاء بن جائیں۔ تاکہ انہیں پانی ملے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بحکم الٰہی پیاس کی بلا دور کرتے ہیں۔ مافوق الاسباب۔

۳۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (مریم)	جبریل نے مریم سے کہا کہ میں تمہارے رب کا قاصد ہوں آیا ہوں تاکہ تمہیں ستھرا بیٹا دوں۔

معلوم ہوا۔ کہ حضرت جبریل اللہ کے حکم سے بیٹا بخشتے ہیں ۔یعنی بندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں ۔

۱۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝	اے محبوب اگر یہ مجرم لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے آپ کے پاس آجاویں اور خدا سے مغفرت مانگیں اور آپ بھی انکی سفارش کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ۔

اس آیت نے بتایا۔ کہ جو گناہوں کی بیماری میں پھنس جاوے ۔وہ حضور کے شفاخانہ میں پہنچے وہاں شفا ملے گی آپ دافع البلاء ہیں اور مافوق الاسباب گناہ بخشوادیتے ہیں۔

۲۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۔	اے ایوب زمین پر اپنا پاؤں ماردیہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

ایوب علیہ السلام کی بیماری اس طرح دور فرمائی گئی ۔ کہ ان سے فرمایا گیا۔ اپنا پاؤں زمین پر رگڑو۔ رگڑنے سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا۔ فرمایا۔ اسے پی لو۔ اور غسل فرمالو۔ پینے سے اندرونی تکلیف دور ہوئی اور غسل سے بیرونی بیماری کو شفا ہوئی معلوم ہوا۔ کہ پیغمبروں کے پاؤں کا دھوون اللہ کے حکم سے شفا ہے۔ آج آبِ زمزم اس لئے شفا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی ایڑی سے پیدا ہوا۔ مدینہ پاک کی مٹی کو خاکِ شفا کہتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سے مس ہوگئی ۔معلوم ہوا۔ کہ بزرگ دافع بلا ہیں اور یہ برکتیں مافوق الاسباب ہیں ۔

۱۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ	پس میں نے فرشتے کے اثر سے ایک مٹھی

الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ۔

مٹی لے لی۔ پس یہ مٹی اس بچھڑے میں ڈال دی۔ میرے دل نے یہی چاہا۔

سامری نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے ٹاپ کے نیچے کی خاک اٹھائی۔ اور سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی جس سے اس میں زندگی پیدا ہوگئی اور وہ آواز کرنے لگا۔ یہ ہی اس آیت میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ بزرگوں کے تبرکات بے جان دھات میں جان ڈال سکتے ہیں۔ باذن اللہ!

۱۔ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِکَةُ۔

نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آویگا۔ جسمیں تمہارے رب کی طرف سے دل کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں۔ معزز موسیٰ اور معزز ہارون ترکہ کی اٹھائے لائینگے اسے فرشتے،

بنی اسرائیل کو ایک صندوق رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پگڑی، حضرت ہارون کی نعلین شریف وغیرہ تھے اور انہیں حکم تھا کہ جنگ میں اسے اپنے سامنے رکھیں۔ فتح ہوگی۔ اس آیت میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات ان کی وفات کے بعد دافع البلاء ہیں۔ خیال رہے مٹی سے جان پڑنا، تبرکات سے فتح ہونا مافوق الاسباب مدد ہے۔

۱۔ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ۔

اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ آپ ان میں ہیں۔

۲۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ

اگر مسلمان مکہ سے نکل جائے تو ہم کافروں پر

كَفَرُوْا	عذاب بھیجے۔
۱۱ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔	پس نکالدیا ہم نے قوم لوط کی بستی سے ان مومنوں کو جو وہاں تھے ۔

ان آیات میں فرمایا۔ کہ دنیا پر عذاب نہ آنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا ہے۔ نیز مکہ والوں پر فتح مکہ سے پہلے اس لئے عذاب نہ آیا۔ کہ وہاں کچھ غریب مسلمان تھے۔ قوم لوط پر عذاب جب آیا۔ تو مومنین کو وہاں سے پہلے ہی نکال دیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور مومنین کی طفیل سے عذاب الٰہی نہیں آتا۔ یہ حضرات دافع البلاء ہیں۔ بلکہ آج بھی ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود جو عذاب نہیں آتا۔ یہ سب اس سبز گنبد کی برکت سے ہے۔

اعلیحضرت نے کیا خوب فرمایا ؎

تمہی شافع برایا، تمہی دافع بلایا!
تمہی قاسم عطایا کوئی تم سا کون آیا!

اعتراض:۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہت دفعہ پیغمبروں نے کسی کو دعا یا بددعا دی۔ مگر قبول نہ ہوئی پھر وہ مشکل کشا، دافع البلاء کیسے ہوئے؟

جواب:۔ یہ حضرات اللہ کے حکم سے دافع البلاء اور مشکل کشاء ہیں۔ جہاں اذن الٰہی نہ ہو وہاں بلا دفع نہ ہوگی ہر چیز کا یہی حال ہے۔ کہ خدا کے حکم سے نفع یا نقصان دیتی ہے۔ غرضیکہ انبیاء و اولیاء مافوق الاسباب مدد کرتے ہیں۔ مشکلیں آسان، مصیبت دور فرماتے ہیں۔

مسئلہ نمبر (۳۱)

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اللہ کے پیاروں کی زبان کن کی کنجی ہے۔ جو ان کے منہ سے نکل جاتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس پر قرآن شریف کی آیتیں گواہ ہیں۔

۱۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا جا تیری سزا دنیا کی زندگی میں یہ ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ چھو نہ جانا اور بے شک تیرے لئے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام سامری سے ناراض ہو گئے۔ کیونکہ اُس نے بچھڑا بنا کر لوگوں کو مشرک کر دیا تھا۔ تو آپ کے منہ سے نکل گیا۔ جا تیرے جسم میں یہ تاثیر پیدا ہو جائے گی کہ جس سے تو چھو جاوے تو اُسے بھی بخار آجاوے۔ اور تجھے بھی۔ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا۔ کہ مجھے کوئی نہ چھونا اور فرمایا۔ کہ یہ تو دنیا کی سزا ہے۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ

اور لیکن دوسرا قیدی پس سولی دیا جائیگا اور پھر پرندے اس کا سر کھائیں گے فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے ہو۔

یوسف علیہ السلام سے جیل میں ایک قیدی نے اپنی خواب بیان کی۔

آپ نے تعبیر دی کہ تجھے سولی ہوگی۔ وہ بولا۔ کہ میں نے خواب تو کچھ بھی نہ دیکھا تھا۔ میں تو مذاق میں کہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ جو میرے منہ سے نکل گیا۔ وہ رب تعالےٰ کے ہاں فیصلہ ہوگیا۔ پتہ لگا کہ ان کی زبان رب کا قلم ہے۔

۱؎ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب فرعونیوں کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے پس یہ نہ ایمان لاویں جبتک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

موسیٰ علیہ السّلام نے فرعونیوں کے لئے تین بد دعائیں کیں ایک یہ کہ ان کے مال ہلاک ہوجائیں۔ دوسرے اپنے جیتے جی یہ ایمان نہ لاویں۔ تیسرے یہ کہ مرتے وقت ایمان لاویں اور پھر ایمان قبول نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ فرعونیوں کا روپیہ پیسہ پھل غلہ سب پتھر ہوگیا اور ایمان کی توفیق زندگی میں نہ ملی۔ اور ڈوبتے وقت فرعون ایمان لایا اور بولا۔ اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ۔ میں حضرت موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں۔ مگر ایمان قبول نہ ہوا۔ دیکھو فرعون کے سوا کوئی کافر قوم ایمان لاکر نہ مری جو کلیم اللہ کے منہ سے نکلا وہ ہی ہوا۔

۱؎ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔

جب ابراہیم نے عرض کیا کہ مولیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو طرح طرح کے پھل دے۔

۲؎ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً

ابراہیم نے دعا کی کہ ہماری اولاد میں ہمیشہ

مُسْلِمَةً تک۔

۲۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ الآیہ

۳۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ○

ایک جماعت فرمانبردار رکھ۔

اے رب ہمارے اسی مسلم جماعت میں وہ رسول آخری بھیج جوان پر تیری آیتیں تلاوت کرے۔

اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک جنگل میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے رب ہمارے اس لئے کہ نماز قائم رکھیں تو تو کچھ لوگوں کے دل انکی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانیکو دے شاید وہ احسان مانیں۔

ان آیات میں اللہ تعالے نے ابراہیم علیہ السلام کی حسب ذیل دعاؤں کا ذکر فرمایا۔

(۱) اس جنگل کو شہر بنادے (۲) شہر امن والا ہو (۳) یہاں کے باشندوں کو روزی اور پھل دے (۴) ہماری اولاد سب کافر نہ ہوجائے۔ ہمیشہ کچھ مسلمان ضرور رہے (۵) اس مومن اولاد میں نبی آخرالزمان پیدا ہوں۔ (۶) لوگوں کے دل اس بستی کی طرف مائل فرمادے (۷) یہ لوگ نماز قائم رکھیں۔

آج بھی دیکھ لو۔ کہ یہ سات دعائیں کیسی قبول ہوئیں۔ وہاں آج تک مکہ شریف آباد ہے۔ آپ کی ساری اولاد کافر نہ ہوئی۔ سید صاحبان سب گمراہ نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مومن جماعت میں پیدا ہوئے۔ وہاں باوجودیکہ کھیتی باڑی نہیں۔ مگر رزق اور پھل کی کثرت ہے۔ ہر جگہ قحط

سے لوگ مرتے ہیں۔ مگر وہاں آج تک کوئی قحط سے نہیں مرا۔ مسلمانوں کے دل مکہ شریف کی طرف کیسے مائل ہیں۔ وہ دن رات دیکھنے میں آرہا ہے۔ کہ فاسق و فاجر بھی مکہ پر فدا ہیں۔

نوٹ ضروری۔ حضرت ابراہیم کے منہ سے نکل گیا کہ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي ذَرْعٍ بے کھیتی والا جنگل۔ تاثیر تو دیکھو۔ کہ اب تک وہ جگہ ریتلی ہی ہے۔ کہ وہاں کھیتی ہو سکتی ہی نہیں یہ اُن کی زبان کی تاثیر ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اپنا لڑکا ذبح کردو۔ عرض کیا۔ بہت اچھا۔ فرمایا۔ اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈال دو۔ عرض کیا بہت اچھا فرمایا۔ اپنے بچے بیوی کو ویران جنگل میں بے آب و دانہ چھوڑ آؤ۔ عرض کیا بہت اچھا۔ یہ نہ پوچھا کہ کیوں؟ جب وہ رب تعالیٰ کی اتنی مانتے ہیں۔ تو رب بھی اُن کی مانتا ہے۔ خلیل نے کہا۔ خلیل نے مانا۔ غرضکہ اُن کی زبان کُن کی کنجی ہے۔

۱۲ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝

اور نوح نے عرض کیا کہ اے رب میرے زمین پر کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ۔ بیشک اگر تو انہیں چھوڑے گا۔ تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور نہ جنیں گے مگر بدکار ناشکر کو۔

سورۂ نوح کی ان آخری تین آیتوں میں نوح علیہ السلام کی تین دعائیں ذکر ہوئیں۔ سارے کافروں کو ہلاک کردے کہ اب ان کی اولاد بھی کافر ہی ہوگی۔ میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت کر۔ اور جو میرے گھر میں پناہ لے

اُسے بھی بخش دے، ان دعاؤں کو رب تعالیٰ نے حرف بحرف قبول فرمایا۔ سارے عالم کے کافر غرق کر دیئے گئے۔ آپ کے ماں باپ کی مغفرت کی گئی۔ اور جس نے کشتی میں پناہ لی۔ اُسے بچا لیا گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے نبوت کی عینک سے ان کی ہونیوالی اولاد تک کا حال معلوم کر لیا کہ وہ کافر ہی ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا۔ کہ ان حضرات کی زبانیں کُن کی کنجی ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ انبیاء کرام کی جو دعا ارادۂ الٰہی کے خلاف ہوتی ہے۔ اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زبان خالی نہ جاوے۔ اور یہ ان کی انتہائی عظمت ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) یَا اِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اَنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ۔

اے ابراہیم اس دعا سے اعراض کرو قوم لوط پر عذاب آنے والا ہے۔ نہیں لوٹ سکتا۔

(۲) لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔

آپ منافقین میں سے کسی پر جو مر جائے نماز نہ پڑھیں اور اسکی قبر پر کھڑے نہ ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے دعا فرمائی۔ لیکن چونکہ ان کی نجات ارادۂ الٰہی کے خلاف تھی۔ لہذا انہیں اس سے روک دیا گیا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافق پر جنازہ سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس نماز میں میت کے لیئے دعا بخشش ہوتی ہے۔ اور منافقین کی بخشش ارادہ الٰہی کے خلاف ہے۔ لہذا آپکو اور آپ کے صدقے سے سب کو اس سے منع کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کی دعا، قبول ہو تو بھی اُن کی عظمت اور اگر اُن کی دعا کسی وجہ سے قبول نہ بھی ہو سکے۔ تو بھی ان کی عظمت ہے۔ ان کی مثل کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔

مسئلہ نمبر (۴)

محبوبانِ خدا دُور سے سُنتے دیکھتے ہیں

اللہ کے پیارے بندے نزدیک و دور کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ اور دُور کی آہستہ آواز بھی باذنِ الٰہی سنتے ہیں۔ قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّا اَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔	ایک چیونٹی بولی کہ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں۔ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو سلیمان نے اس چیونٹی کی آواز سن کر مسکرا کر ہنسے،

چیونٹی کی آواز نہایت باریک جو ہم کو قریب سے بھی معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور سے سنی۔ کیونکہ وہ اس وقت چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی جب آپ کا لشکر ابھی اس جنگل میں داخل نہ ہوا تھا اور لشکر تین میل میں تھا۔ تو آپ نے یہ آواز یقیناً تین میل سے زیادہ فاصلہ سے سنی۔ رہا چیونٹیوں کا یہ کہنا کہ وہ بے خبری میں کچل دیں۔ اس سے مراد بے علمی نہیں ہے۔ بلکہ ان کا عدل و انصاف بتانا مقصود ہے کہ وہ بے قصور چیونٹی کو بھی

نہیں مارتے - اگر تم کھلی گئیں تو اس کی وجہ صرف ان کی بے توجہی ہو گی - کہ تمہارا خیال نہ کریں اور تم کھلی جاؤ -

۱ - وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ ؎

جب قافلہ مصر سے جدا ہوا - یہاں ان کے باپ نے کہا کہ بیشک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے سٹھا ہوا نہ کہو -

یعقوب علیہ السلام کنعان میں ہیں اور یوسف علیہ السلام کی قمیص مصر سے چلی ہے - اور آپ نے خوشبو یہاں سے پالی - یہ نبوت کی طاقت ہے -

۲ - قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ -

اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اُسے آپ کے پاس حاضر کر دوں گا آپ کے پلک مارنے سے پہلے -

آصف شام میں ہیں - اور بلقیس کا تخت یمن میں اور فوراً لانے کی خبر دے رہے ہیں - اور لانے جانے کے بغیر ناممکن ہے معلوم ہوا کہ وہ اس تخت کو یہاں سے دیکھ رہے ہیں - یہ ہے ولی کی نظر -

۳ - وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ -

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں اسکی جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو جمع کرتے ہو

عیسیٰ علیہ السلام کی آنکھ گھروں کے اندر جو ہو رہا ہے اُسے دور سے دیکھ رہی ہے - کہ کون کھا رہا ہے اور کیا رکھ رہا ہے - یہ ہے نبی کی قوتِ نظر -

۴ - اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ

وہ ابلیس اور اس کے قبیلہ تم سب

قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ۔	کو دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے۔
۱۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔	فرمادو تم سب کو موت کا فرشتہ موت دیگا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔

شیطان اور اس کی ذریت کو گمراہ کرنے کے لئے ملک الموت کو جان نکالنے کے لئے یہ طاقت دی کہ عالم کے ہر انسان بلکہ ہر جاندار کو دیکھ لیتے ہیں۔ تو انبیاء و اولیاء کو جو رہبر و ہادی ہیں۔ سارے عالم کی خبر ہونا لازم ہے۔ تاکہ دوا کی طاقت بیماری سے کم نہ ہو۔

۲۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ۔	اور لوگوں کو حج کا اعلان سنا دو وہ آئیں گے تمہارے پاس پیدل اور ہر اونٹنی پر۔

ابراہیم علیہ السلام کی آواز تمام انسانوں نے سنی۔ جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔

۳۔ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہو جائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں کو رب تعالیٰ نے وہ بینائی بخشی کہ انہوں نے تحت الثریٰ سے عرش اعلیٰ تک دیکھ لیا۔ کیونکہ خدا کی بادشاہی تو ہر جگہ ہے۔ اور ساری بادشاہی انہیں دکھائی گئی۔

۴۔ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ط	کیا نہ دیکھا آپ نے کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟

۱۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ط	کیا نہ دیکھا آپ نے اے محبوب کہ آپ کے رب نے قوم عاد سے کیا کیا؟

اصحاب فیل کی تباہی نبی صلی اللہ علیہ السلام کی ولادت شریف سے چالیس دن پہلے ہے۔ اور قوم عاد و ثمود پر عذاب آنا حضور کی ولادت شریف سے ہزاروں برس پہلے ہے۔ لیکن ان دونوں قسم کے واقعوں کے لیے رب تعالیٰ نے استفہام انکاری کے طور پر فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے یہ واقعات نہ دیکھے۔ یعنی دیکھے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ نبی کی نظر گذشتہ آئندہ سب کو دیکھتی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات دوزخ میں مختلف قوموں کو عذاب پاتے دیکھا۔ حالانکہ ان کا عذاب پاتا قیامت کے بعد ہوگا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا۔

۲۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ط	پاک ہے وہ اللہ جو راتوں رات لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں بیشک وہ بندہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نے اگلے پچھلے واقعات اللہ کی ذات صفات، نشانیاں قدرت سب کو دیکھا۔

اعتراض:۔ یعقوب علیہ السلام کی نظر اور قوت شامہ اگر اتنی تیز تھی۔ کہ مصر کے حالات معلوم کر لئے۔ تو چالیس سال تک فراق یوسف میں کیوں

روتے رہے۔ اُن کے رونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ یوسف علیہ السّلام سے بے خبر تھے۔

جواب:۔ اس کا آسان جواب تو یہ ہے۔ کہ انبیاء کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کی مشیّت میں ہیں۔ جب چاہتا ہے۔ تب انہیں ادھر متوجّہ کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ادھر متوجّہ نہیں فرماتا۔ بے علمی اور ہے بے توجہی کچھ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا گریہ عشقِ الٰہی میں تھا۔ یوسف علیہ السلام اسکا سبب ظاہری تھے۔ مجاز حقیقت کا پُل ہے۔ ورنہ آپ یوسف علیہ السلام کے ہر حال سے واقف تھے۔ خود قرآن کریم نے ان کے کچھ قول ایسے نقل فرمائے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ فرماتا ہے۔

۱۔ قَالَ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ یٰبَنِیَّ اذۡہَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ یُّوۡسُفَ وَاَخِیۡہِ وَلَا تَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ ۔	میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کیطرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اے بچو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ سے نا امید نہ ہو۔
۲۔ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّاۡتِیَنِیۡ بِہِمۡ جَمِیۡعًا پ ۱۳ یوسف	قریب ہے کہ اللہ ان تینوں یہودا، بنیامین یوسف کو میرے پاس لائے گا۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کو مصر میں چھوڑ کر آتے تھے۔ مگر آپ فرماتے ہیں یوسف اور اس کے بنیامین بھائی کا سراغ لگاؤ یعنی وہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں۔ دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ دوبارہ مصر میں

بظاہر یہودا اور بنیامین دونوں گئے تھے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ اللہ ان تینوں کو میرے پاس لائے گا۔ تیسرے کون تھے وہ یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ ۳۱

اے یوسف تمہیں اللہ اسی طرح نبوت کے لئے چنے گا اور تمہیں باتوں کا انجام بتائے گا۔

خود تعبیر دے چکے ہیں۔ کہ تم نبی ہوگے اور علم تعبیر دیئے جاؤ گے اور ابھی تک وہ تعبیر ظاہر نہ ہوئی تھی اور آپ جانتے تھے۔ کہ یہ خواب سچا ہے۔ ضرور ظاہر ہوگا۔

اعتراض:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے ملک کی خبر نہ ہوئی ہدہد نے کہا۔

اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ پ۱۹ نمل

میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو آپ نے نہ دیکھی اور میں آپکے پاس سبا سے سچی خبر لایا ہوں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

اگر آپ ملک بلقیس سے واقف ہوتے تو بلقیس کے پاس خط بھیج کر یہ تحقیق کیوں فرماتے۔ کہ ہدہد سچا ہے یا جھوٹا معلوم ہوا۔ کہ آپ بلقیس سے بے خبر تھے۔ اور ہدہد خبردار تھا۔ پتہ لگا۔ کہ نبی کے علم سے جانور کا علم زیادہ ہو سکتا ہے (وہابی دیوبندی)

جواب۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے کہیں نہ فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام

کو علم نہ تھا۔ ہُدہُد نے بھی آکر یہ نہ کہا کہ آپ کو بلقیس کی خبر نہیں۔ وہ کہتا ہے۔
اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ۔ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جو آپ نے نہ دیکھی۔ یعنی
نہ آپ وہاں گئے تھے نہ دیکھ کر آئے تھے۔ یہ کہاں سے پتہ لگا۔ کہ آپ
بے خبر بھی تھے۔ اگر بے خبر ہوتے تو جب آصف کو حکم دیا۔ کہ بلقیس کا تخت
لاؤ۔ تو آصف نے کہا۔ کہ حضور میں نے وہ جگہ دیکھی نہیں۔ نہ مجھے خبر ہے۔
کہ اس کا تخت کہاں رکھا ہے۔ آپ ہُدہُد کو میرے ساتھ بھیجیں۔ وہ راستہ دکھائے
تو میں لادوں گا۔ نہ کسی سے راستہ پوچھا۔ نہ پتہ دریافت کیا۔ بلکہ آناً فاناً حاضر کر
دیا۔ اگر وہ تخت ان کی نگاہوں کے سامنے نہ تھا۔ تب کیسے آئے۔ جب
آصف کی نگاہ سے تخت غائب نہیں تو حضرت سلیمان سے کیسے غائب ہوگا
مگر ہر کام کا ایک وقت اور ایک سبب ہوتا ہے۔ بلقیس کے ایمان لانے کا
یہ ہی وقت تھا۔ اور ہُدہُد کو اس کا سبب بنانا منظور تھا۔ تاکہ پتہ لگے کہ پیغمبروں
کے درباری جانور بھی لوگوں کو ایمان دیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس سے پہلے
آپ نے بلقیس کی خبر نہ لی۔

آپ کا تحقیق فرمانا بے علمی کی دلیل نہیں ورنہ رب تعالےٰ بھی قیامت میں
تمام مخلوق کے اعمال کی تحقیق فرما کر فیصلہ کرے گا۔ تو چاہیئے۔ کہ وہ بھی بیخبر ہو۔

مسئلہ نمبر (۵)

مُردے سنتے ہیں اور محبوبین بعد وفات مدد کرتے ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق پہلے بابوں میں ہو چکی ہے۔ کہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ

ہے۔ کہ مردے سنتے ہیں۔ اور زندوں کے حالات دیکھتے ہیں۔ کچھ اجمالی طور سے یہاں عرض کیا جاتا ہے۔

۱۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝	پس پکڑ لیا قوم صالح کو زلزلے نے تو وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے پھر صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی۔ اور تمہاری خیرخواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔
۲۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝	تو شعیب نے ان مرے ہوؤں سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں پر۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام نے ہلاک شدہ قوم پر کھڑے ہو کر ان سے یہ باتیں کیں۔

۳۔ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ۝	ان رسولوں سے پوچھو جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا اور خدا ٹھہرائے ہیں جو پوجے جاویں۔

گزشتہ نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وفات پاچکے تھے۔ فرمایا جارہا ہے۔ کہ وفات یافتہ رسولوں سے پوچھو کہ ہم نے شرک کی اجازت نہ دی

توانکی اُمّتیں ان پر تہمت لگاکر کہتی ہیں ۔ کہ ہمیں شرک کا حکم ہمارے پیغمبروں نے دیا ہے ۔ اگر مُردے نہیں سنتے تو ان سے پوچھنے کے کیا معنی ؟ بلکہ اس تیسری آیت، سے تو یہ معلوم ہُوا ۔ کہ خاص بزرگوں کو مُردے جواب بھی دیتے ہیں اور وہ جواب بھی سن لیتے ہیں ۔ اب بھی کشفِ قبور کرنے والے مردوں سے سوال کر لیتے ہیں ۔ اس لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بدر کے مقتول کافروں سے پکار کر فرمایا ۔ کہ بولو میرے تمام فرمان سچے تھے یا نہیں ۔ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ بے جان مردوں سے آپ کلام کیوں فرماتے ہیں ۔ تو فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں ۔ دوسری روایت میں ہے کہ دفن کے بعد جب زندے واپس ہوتے ہیں تو مُردہ اُن کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے ۔ اسی لئے ہم نمازوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہیں ۔ اور کھانا کھانے والے، استنجا کرنے والے سوتے ہوئے کو سلام کرنا منع ہے کیونکہ وہ جواب نہیں دے سکتے ۔ تو جو جواب نہ دے سکے ۔ اسے سلام کرنا منع ہے ۔ اگر مُردے نہ سنتے ہوتے ۔ تو قبرستان جاتے وقت انہیں سلام نہ کیا جاتا اور نماز میں حضور کو سلام نہ ہوتا ۔

ضروری ہدایت ۔ زندگی میں لوگوں کی سننے کی طاقت مختلف ہوتی ہے ۔ بعض قریب سے سنتے ہیں ۔ جیسے عام لوگ اور بعض دور سے بھی سن لیتے ہیں ۔ جیسے پیغمبر اور اولیاء مرنے کے بعد یہ طاقت بڑھتی ہے ۔ گھٹتی نہیں ۔ لہذا عام مردوں کو ان کے قبرستان میں جاکر پکار سکتے ہیں ۔ دور سے نہیں ۔ لیکن انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو دور سے بھی پکار سکتے ہیں ۔ کیونکہ وہ جب زندگی میں دور سے سنتے تھے ۔ تو بعد وفات بھی سنیں گے ۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہر جگہ سے سلام عرض کرو۔ مگر دوسرے مردوں کو صرف قبر پر جاکر دور سے نہیں۔

دوسری ہدایت۔ اگرچہ مرنے کے بعد روح اپنے مقام پر رہتی ہے لیکن اس کا تعلق قبر سے ضرور رہتا ہے کہ عام مردوں کو قبر پر جاکر پکارا جاوے تو سنیں گے مگر اور جگہ سے نہیں۔ جیسے سونے والا آدمی کہ اس کی ایک روح نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے۔ لیکن اگر اس کے جسم کے پاس کھڑے ہو کر آواز دو۔ تو سنے گی۔ دوسری جگہ سے نہیں سنتی۔

اعتراض۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز وغیرہ میں سلام کیا جاوے اس میں یہ نیت نہ ہو کہ آپ سن رہے ہیں۔ بلکہ جیسے کسی سے سلام کہلا کر بھیجتے ہیں۔ یا کسی کو خط میں سلام لکھتے ہیں۔ ایسے ہی سلام کیا جائے کیونکہ دور کے آدمی کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اور پاس والے کا سلام خود حضور سنتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (وہابی)

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے عقیدے کے یہ بھی خلاف ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ مردے سنتے ہی نہیں اور آیات پیش کرتے ہو۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر انور میں سے سن لیا۔ تو تمہارے قول کے خلاف ہو گیا دوسرے یہ کہ جب کسی کے ہاتھ سلام کہہ کر بھیجتے ہیں۔ تو اُسے خطاب کرکے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نہیں کہتے بلکہ جانے والے کو کہتے ہیں کہ ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم لوگ نماز وغیرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط تو لکھتے نہیں۔ تمہارے قول کے مطابق فرشتوں سے کہلا کر بھیجتے ہیں تو اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ اے نبی تم پر سلام ہو بلکہ یوں کہا جانا چاہیئے۔ کہ اے فرشتو

حضور سے ہمارا سلام کہنا۔ خطاب فرشتوں سے ہونا چاہیئے تھا۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ دُور والے کا سلام نہیں سنتے۔ صرف یہ ہے کہ دور والے کا سلام ملائکہ پیش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ملائکہ بھی پیش کرتے ہوں۔ اور سرکار خود بھی سنتے ہوں۔ جیسے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں۔ تو خدا کیا ان کے اعمال خود نہیں جانتا۔ ضرور جانتا ہے مگر پیشی بھی ہوتی ہے۔

اعتراض:۔ مردے نہیں سنتے قرآن کریم فرمارہا ہے۔

(۱) وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔	تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔
(۲) فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ۔	پس تم نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہیں سنا سکتے بہروں کو پکار۔ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔ اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ۔

ان آیات میں صاف بتایا گیا کہ قبر والے اور مردے نہیں سنتے۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کے قائل ہو کہ جو قبر انور پر سلام پڑھا جاوے وہ سرکار سن لیتے ہیں۔ وہ بھی اس آیت کے خلاف ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں یہ بھی ہے۔ کہ تم اندھوں کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہزاروں اندھے ہدایت پر آگئے۔ تیسرے یہ کہ یہاں قبر والوں اور مردوں، اندھوں اور بہروں سے مراد وہ کفار ہیں۔ جن پر مہر ہو چکی

جن کے ایمان کی توقع نہیں ۔ اسے خود قرآن کریم بتارہا ہے ۔ چنانچہ تمہاری پیش کردہ انہی آیات کے آخر میں یہ ہے ۔

اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝	تم اس کو سنا ئے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاویں اور وہ مسلمان ہوں ؛

یہ سورۃ نمل اور سورۃ روم میں دونوں جگہ ہے اگر وہاں اندھے ، بہرے ، مردے سے مراد یہ اندھے اور مردے ہوتے تو ان کے مقابل ایمان اور اسلام کا ذکر کیوں ہوتا ۔ پتہ لگا ۔ کہ اس سے دل کے مردے ، دل کے اندھے مراد ہیں انہیں مردہ ، بہرہ اس لیئے فرمایا ۔ کہ جیسے مردے پکار سے نفع اور نصیحت حاصل نہیں کرتے ۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں ۔ نیز قرآن کریم کافروں کے بارے میں فرماتا ہے ۔

۲ صُمٌّ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ۔	یہ کفار بہرے ، گونگے ، اندھے ہیں ۔ پس وہ نہ لوٹیں گے ۔
۳ اَوَ مَنۡ كَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلۡكٰفِرِیۡنَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝	اور کیا وہ جو مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کردیا اور اس کے لیئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے ہیں ؛

اس آیت سے مردے سے مراد کافر ، زندگی سے مراد ہدایت ، اندھیروں

سے مراد کفر، روشنی سے مراد ایمان ہے یہ آیت تمہاری پیش کردہ آیات کی تفسیر ہے۔

۱۴ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بھکا ہوا ہے

اس سے بھی اندھے سے مراد دل کا اندھا ہے نہ کہ آنکھ کا اندھا، بہر حال جن آیتوں میں اندھوں، مردوں، بہروں کے نہ سننے نہ ہدایت پانیکا ذکر ہے۔ وہاں کفار مراد ہیں بلکہ مردے مدد بھی کرتے ہیں۔ آیات ملاحظہ ہوں

۱۵ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول تشریف لاویں جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریں تو تم ان پر ایمان لانا اور انکی مدد کرنا۔"

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ تم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا حالانکہ وہ پیغمبر آپ کے زمانہ میں وفات پا چکے تو پتہ لگا۔ کہ وہ حضرات بعدِ وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائے۔ اور روحانی مدد بھی کی۔ چنانچہ سب نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے معراج کی رات نماز پڑھی۔ یہ اس ایمان کا ثبوت ہوا۔ حج وداع میں بہت سے پیغمبر آپ کے ساتھ حج میں شریک ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام نے اسلام والوں کی مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرادیں۔ آخر میں عیسیٰ علیہ السلام

بھی ظاہری مدد کے لئے آئیں گے۔ اموات کی مدد ثابت ہوئی۔

۲۷ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس آجاویں پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور رسول بھی ان کیلئے دعاء مغفرت کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے توبہ قبول ہوتی ہے اور یہ مدد زندگی سے خاص نہیں بلکہ قیامت تک یہ حکم ہے یعنی بعد وفات بھی ہماری توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مدد سے قبول ہوگی۔ بعد وفات مدد ثابت ہوئی۔ اسی لئے آج بھی حاجیوں کو حکم ہے۔ کہ مدینہ منورہ میں سلام پڑھتے وقت یہ آیت پڑھ لیا کریں۔ اگر یہ آیت فقط زندگی کے لئے تھی۔ تو اب وہاں حاضری کا اور اس آیت کے پڑھنے کا حکم کیوں ہے۔

۳ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو مگر جہانوں کیلئے رحمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کی رحمت ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جہان تو رہے گا۔ اگر آپ کی مدد اب بھی باقی نہ ہو تو عالم رحمت سے خالی ہوگیا۔

۴ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝

اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو مگر تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

اس لِلنَّاس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد آئے اور آپکی یہ مدد تا قیامت جاری ہے۔

وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ

اور یہ بنی اسرائیلی کافروں کے مقابلہ میں اسی رسول کے ذریعہ سے فتح کی دعا کرتے تھے پھر جب وہ جانا ہوا رسول انکے پاس آیا تو یہ ان کا انکار کر بیٹھے۔

معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی لوگ آپ کے نام کی مدد سے دعائیں کرتے۔ اور فتح حاصل کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد دنیا میں آنے سے پہلے شامل حال تھی تو بعد بھی رہے گی۔ اسی لئے آج بھی حضور کے نام کا کلمہ مسلمان بناتا ہے۔ درود شریف سے آفات دور ہوتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے فائدہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات سے بنی اسرائیلی جنگوں میں فتح حاصل کرتے تھے۔ یہ سب بعد وفات کی مدد ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی بحیات حقیقی زندہ ہیں۔ ایک آن کے لئے موت طاری ہوئی اور پھر دائمی زندگی عطا فرمادی گئی۔ قرآن کریم تو شہیدوں کی زندگی کا بھی اعلان فرما رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ثبوت یہ ہے۔ کہ زندوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم ہے، حافظ ہے، قاضی ہے اور مردوں کے لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ عالم تھا، حافظ تھا۔ زندوں کے لئے "ہے" اور مردوں کے لئے "تھا" استعمال ہوتا ہے نبی کا کلمہ جو صحابہ کرام آپکی زندگی میں پڑھتے تھے۔ وہی کلمہ قیامت تک پڑھا جاویگا۔ کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ صحابہ کرام بھی کہتے تھے۔ کہ حضور اللہ کے

رسول ہیں۔ شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین ہیں۔ اور ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ اگر آپ زندہ نہ ہوتے تو ہمارا کلمہ بدل جانا چاہیئے تھا۔ ہم کلمہ یوں پڑھتے۔ کہ "حضور اللہ کے رسول تھے"۔ جب آپ کا کلمہ نہ بدلا تو معلوم ہوا۔ کہ آپ کا حال بھی نہ بدلا۔ لہٰذا آپ اپنی زندگی شریف کی طرح ہی سب کی مدد فرماتے ہیں۔ ہاں اس زندگی کا ہم کو احساس نہیں۔

مسئلہ نمبر (۶)

یادگاریں قائم کرنا اور بڑی تاریخوں پر خوشیاں منانا

جس تاریخ یا جس دن میں کبھی کوئی نعمت آئی ہو تاقیامت وہ تاریخ معظّم ہو جاتی ہے۔ اس تاریخ میں یادگاریں منانا، خوشیاں منانا، خوشی میں عبادتیں کرنا حکمِ قرآن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱؎ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ۔	رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔
۲؎ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔	بیشک ہم نے قرآن شبِ قدر میں اتارا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ شبِ قدر اور ماہِ رمضان کی اتنی عظمت ہے کہ شبِ قدر تو ہزار ماہ سے افضل ہوگئی۔ اور ماہِ رمضان باقی مہینوں سے بہتر

ہوگیا اور اس کا نام قرآن میں آیا۔ اس کے سوا کسی مہینہ کا نام قرآن میں نہ آیا۔ محض اس لئے کہ یہ مہینہ اور یہ رات قرآن کے نزول کا وقت ہے۔ قرآن تو ایک دفعہ اتر چکا۔ مگر ان کی یہ عظمت ہمیشہ کے لئے ہوگئی۔

٣۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو فرمادو

٤۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ؀

کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ وہ ان کی دھن دولت سے بہتر ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ جس تاریخ میں اللہ کی نعمت ملی ہو۔ اس کی یادگار مناؤ خوشیاں مناؤ۔

٥۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ؀

اے موسیٰ بنی اسرائیل کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ جن دنوں میں ان پر نعمتیں اتریں بیشک اسمیں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گذار کو۔

٦۔ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ۔

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا کہ یارب ہم پر آسمان سے دسترخوان اتار کہ وہ ہمارے لئے اگلوں پچھلوں کی عید ہو اور یہ تیری طرف سے نشانی ہو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ کہ بنی اسرائیل کو انعامات کی تاریخیں یاد دلاتے رہو ان کی یادگاریں قائم کرو۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نے غیبی دسترخوان کے آنے کی تاریخ کو اپنے اگلے پچھلے سارے عیسائیوں کے لئے

عید قرار دیا۔ لہذا میلاد شریف، گیارہویں شریف، بزرگوں کے عرس، فاتحہ، چالیسواں، تیجہ وغیرہ سب جائز ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کی نعمت کی یادگاریں ہیں اور یادگاریں منانا حکمِ قرآنی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ | اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے۔

اعتراض ؛ مسلم و بخاری کی روایت میں ہے کہ جمعہ کا روزہ نہ رکھو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کو روزے سے خاص نہ کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ کسی دن کی تعیین منع ہے چونکہ میلاد اور عرس میں تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ لہذا منع ہے (وہابی)

جواب ؛ اس کا جواب اسی حدیث میں آگے ہے کہ اگر جمعہ کسی ایسی تاریخ میں آجائے۔ جس کے روزے کے تم عادی ہو تو رکھو۔ یعنی اگر کسی کی عادت بارہویں کے روزے کی ہے اور جمعہ بارہویں کو آگیا تو رکھ لے۔ نیز فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ صرف جمعہ کو روزہ نہ رکھے۔ بلکہ آگے پیچھے ایک دن اور بھی ملائے۔ معلوم ہوا کہ مقرر کرنا منع نہیں۔ بلکہ جمعہ کے روزہ کی ممانعت ہے۔ ممانعت کی وجہ کچھ اور ہے۔ کیا وجہ ہے۔ اس کے متعلق علماء کے بہت سے قول ہیں۔ ایک یہ بھی ہے۔ کہ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے۔ اور عید کو روزہ منع ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا روزہ منع ہے۔ یعنی یہ مشابہ عید کے ہے۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کا دن کام کاج کا ہے۔ غسل کرنا، کپڑے تبدیل کرنا۔ جمعہ کی تیاری کرنا۔ خطبہ سننا، نماز جمعہ پڑھنا۔ ممکن ہے کہ روزے کی وجہ سے تکلیف ہو۔ لہذا ان کاموں کی وجہ سے روزہ نہ رکھے۔ جیسے حاجی کو نویں تاریخ، بقر عید کا روزہ اور حاجی کو بقر عید کی نماز مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ دن اس کے کام کے

ہیں۔ روزے سے اس کے کاموں میں حرج ہوگا۔ تیسرے یہ کہ صرف جمعہ کے روزے ہیں یہود سے مشابہت ہے۔ کہ وہ صرف ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ تم اگر جمعہ کا روزہ رکھو۔ تو آگے پیچھے ایک دن اور ملالو تاکہ مشابہت نہ رہے۔ چوتھے یہ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دوشنبہ کا روزہ کیسا ہے۔ فرمایا کہ اسی دن ہماری ولادت ہے۔ اسی دن نزول وحی کی ابتدار ہوئی۔ لہٰذا روزہ رکھو اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ اسی خوشی میں رکھا کہ اس تاریخ میں موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی۔

اگر یادگاریں منانا بُرا ہوتا تو یہ یادگاریں کیوں منائی جاتیں؟

اعتراض:۔ چونکہ میلاد شریف اور عرس میں لوگ بہت حرام کام بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب:۔ قاعدہ غلط ہے۔ کوئی سنت حرام کام کے ملنے سے ناجائز نہیں ہوجاتی۔ نکاح سنت ہے۔ مگر لوگوں نے اس میں ہزاروں خرافات ملا دیں۔ تو نکاح کو نہیں روکا جاتا بلکہ ان چیزوں سے منع کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر (۷)

بزرگوں کی جگہ کی تعظیم اور وہاں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے

جس جگہ کوئی ولی رہتے ہوں یا رہے ہوں یا کبھی بیٹھے ہوں۔ وہ جگہ حرمت والی ہے۔ وہاں عبادت اور دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ اس کی تعظیم کرو۔ دعا مانگو۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو تم اس بستی میں پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک خوب کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دینگے اور نیکی والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا وقت آیا۔ تو ان سے کہا گیا۔ کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور گناہ کی معافی چاہو۔ بیت المقدس نبیوں کی بستی ہے۔ اس کی تعظیم کرالی گئی۔ کہ سجدہ کرتے ہوئے جاؤ اور وہاں جا کر توبہ کرو۔

۲۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔

جو اس مکہ میں داخل ہو گیا امن والا ہو گیا۔

۳۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝

کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو امن والا بنایا اور ان کے آس پاس کے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

ان آیتوں سے پتہ لگا۔ کہ حضرت خلیل اللہ کی بستی جو کعبہ معظمہ کا شہر ہے۔ بہت حرمت والا اور عظمت والا ہے۔

۴۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ۔

وہاں مریم کے پاس زکریا نے دعا مانگی عرض کیا کہ اے رب مجھے اپنی طرف سے ستھری اولاد دے بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

۵۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا۔	اور جو اس معاملہ پر غالب آئے وہ بولے کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے ؛

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم رضی اللہ عنہا کے پاس کھڑے ہو کر اولاد کی دعا مانگی۔ تا کہ قرب ولی کی وجہ سے دعا جلد قبول ہو اور مسلمانوں نے اصحابِ کہف کے غار پر مسجد بنائی۔ تا کہ ان کی برکت سے زیادہ قبول ہوا کرے۔

۶۔ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ؕ	میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی جبکہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔
۷۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝	قسم ہے انجیر کی زیتون کی اور طور سینا پہاڑ کی اور اس امانت والے شہر کی ؛

ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ جس جگہ اللہ کے بندے ہوں وہ جگہ ایسی حرمت والی ہو جاتی ہے کہ اسکی رب قسم فرماتا ہے۔

ان آیات سے یہ بھی پتہ لگا۔ کہ بزرگوں کے چلّے جہاں انہوں نے عبادت کی وہاں جا کر نماز پڑھنا، دعا کرنا، اسجگہ کی تعظیم کرنا باعثِ ثواب ہے اسی لئے مدینہ منورہ میں ایک عبادت کا ثواب پچاس ہزار ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک کا ثواب ایک لاکھ۔ کیوں ؟ اس لئے کہ یہ جگہ اللہ کے پیاروں کی ہے۔ ریل اگرچہ مساوی لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی صرف اسٹیشن پر ہے۔ اللہ کے بندوں کی جگہ رحمتِ خدا کے اسٹیشن ہیں۔

مسئلہ نمبر (۸)

سچّے مذہب کی پہچان

اسلام میں آج بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے کو حق کہتا ہے۔ اور ہر ایک قرآن سے اپنا مذہب ثابت کرتا ہے۔ قرآن سے پوچھو۔ کہ سچا مذہب کون ہے وہ فرماتا ہے۔

۱۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

۲۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔

ہم کو سیدھے رستے کی ہدایت دے اور ان کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

۳۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو تم ان ہی کی راہ پر چلو۔

۴۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

اولادِ یعقوب نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اسمٰعیل اسحاق کے معبودوں کو پوجیں گے۔

۵۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔

۶۔ قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا۔

فرما دو بلکہ ہم پیروی کریں گے ابراہیم کے دین کی جو ہر برائی سے دور ہے۔

۷۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔	اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ حق اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کرینگے۔ وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔
۸۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۙ	اور ایسے ہی ہم نے تم کو درمیانی اُمّت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تم پر نگہبان گواہ ہوں ۔

ان مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ سچے مذہب کی پہچانیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس مذہب میں سچے لوگ یعنی اولیاء اللہ، صالحین، علماء ربانی ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ عام مومنین کا مذہب ہو۔ چھوٹے چھوٹے فرقے جن میں اولیاء صالحین نہیں وہ غلط راستے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے۔ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ۔ بڑے گروہ کی پیروی کرو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے اب تک جس مذہب پر عام مسلمان رہے ہوں۔ وہ قبول کرو۔ یہ دونوں علامتیں آج صرف مذہب اہل سنّت میں پائی جاتی ہیں۔ قادیانی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی میں نہ اولیاء اللہ تھے، نہ ہیں۔ تمام چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی اسی سنّی مذہب میں گذرے ہیں۔ اور اسی مذہب میں آج ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم، اُن سے حاجتیں مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو علم غیب ماننا وغیرہ تمام چیزیں عام مسلمانوں کا مذہب رہا ہے۔ اسکی تحقیق کے لیے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

لطیفہ: ہر قوم کی تاریخ اس کے نام سے معلوم کرو۔ قوموں کے موجودہ نام تاریخی نام ہیں۔ ہم اس پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

مرزائی ۔اس فرقہ کی پیدائش مرزا غلام احمد قادیانی کے وقت سے ہے یعنی بارہویں صدی کی پیداوار ہے ۔ اس جماعت کی عمر ننانوے برس ہے۔

چکڑالوی ۔اس فرقے کی پیدائش عبداللہ چکڑالوی پنجابی کے وقت سے ہوئی۔ یعنی اس کی عمر ایک سو پندرہ سال ہے۔

اثنا عشری شیعہ ۔اس فرقہ کی پیدائش بارہ اماموں کے وقت سے ہوئی۔ کیونکہ اثنا عشر کے معنی ہیں بارہ امام۔ جب بارہ امام پیدا ہوئے تو یہ فرقہ ظہور میں آیا۔ اس لئے اس کی عمر تقریباً گیارہ سو برس ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو سال بعد میں ہوا۔

خیال رہے۔ کہ ان شیعہ کے عقیدہ میں امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔ جو قرآن لے کر چھپ گئے ہیں۔ قریب قیامت آئیں گے۔

وہابی ۔خواہ دیوبندی ہوں یا غیر مقلد اس فرقے کی پیداوار عبدالوہاب نجدی کے وقت میں ہوئی۔ لہٰذا اس کی عمر ایک سو پچھتر سال ہے۔ یعنی گیارہویں صدی میں پیدا ہوا۔

بابی ۔بہائی ۔ ان دونوں فرقوں کی پیداوار بہاء اللہ اور عبداللہ باب کے زمانہ میں ہوئی۔ ان کی عمر سو برس سے بھی کم ہے۔

اہلسنّت والجماعت ۔جب سے سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئی۔ تب سے یہ مذہب آیا۔ یعنی جو عمر سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہے۔ وہی اس مذہب کی ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کی عام جماعت کا یہی مذہب ہے۔ لہٰذا اس فرقے کا نام ہُوا اہلسنت والجماعت یعنی سنّتِ رسول اور جماعت مسلمین والا فرقہ۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہُوا۔ کہ یہ ہی فرقہ حق ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کا ترجمہ سب کرتے ہیں۔ حدیثیں سب دبائے پھرتے ہیں۔ اور علماء سارے فرقوں میں ہیں۔ مگر صادقین یعنی اولیاء کاملین، حضور غوث پاک، خواجۂ اجمیر، خواجہ بہاء الدین نقشبند۔ شیخ شہاب الدین سہروردی گذشتہ اولیاء اللہ اور موجودہ اولیاء کرام تونسہ شریف، سیال شریف گولڑہ شریف، علی پور شریف بٹالہ شریف وغیرہ تمام آستانے والے اسی مذہب پر ہیں۔ لہٰذا ان آیات نے صاف طور پر بتایا کہ یہ ہی مذہب حق ہے۔ اللہ تعالےٰ اسی پر ہم سب کو رکھے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ آمین!

مسئلہ نمبر (۹)

دم درود کرنا، پڑھ کر پھونکنا

بعض لوگ صوفیاء کرام کے تعویذ، دم، جھاڑ، پھونک کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کھانے کمانے کے ڈھنگ ہیں۔ قرآن میں اس کا ثبوت نہیں۔ بلکہ جو ہوا پیٹ میں سے نکلتی ہے۔ وہ گرم اور بیماری والی ہوتی ہے۔ وہ پھونک بیمار کریگی۔ شفا نہ دے گی۔ مگر یہ خیال قرآن کے خلاف ہے۔

قرآن کریم نے دم کرنے اور پھونکنے کی تاثیر کا اعلان فرمایا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں۔

پھونکنے میں تاثیر ہے۔

۱۔ وَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○

رب تعالیٰ نے فرمایا۔ تو جب میں آدم کے جسم کو ٹھیک کر لوں اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں۔ تو ان کے لیئے سجدے میں گر جانا!

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے روح پھونک کر آدم علیہ السلام کو زندگی بخشی۔ رب تعالیٰ کا پھونکنا وہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہو۔ مگر لفظ پھونکنے کا استعمال فرمایا گیا۔ بلکہ جان کو روح اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ پھونکی ہوئی ہوا ہے۔ روح کے معنی ہوا، پھونک ہیں۔

۲۔ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ○

اللہ بیان فرماتا ہے عمران کی بیٹی مریم کا جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کی اور فرمانبرداروں میں ہوتی

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت جبریل نے گریبان میں دم کیا۔ جس سے آپ حاملہ ہوئیں اور عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے اسی لیئے آپ کا لقب روح اللہ بھی ہے اور کلمۃ اللہ بھی یعنی اللہ کا دم یا اللہ کا کلمہ حضرت جبریل علیہ السّلام نے کچھ پڑھ کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر دم کیا۔ جس سے یہ فیض دیا۔ اب بھی شفا وغیرہ کے لیئے پڑھ کر دم ہی کرتے ہیں۔

۳۔ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ

فرمایا عیسےٰ نے کہ میں بناتا ہوں تمہارے لیئے پرندے کی صورت۔ پھر اس میں

فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔	دم کرتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور کوڑھی اندھے کو اچھا کرتا ہوں اور مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے ؂

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ عیسیٰ علیہ السّلام دم کر کے مُردے زندہ کرتے تھے۔ کوڑھی اور اندھوں کو اچھا کرتے تھے۔ یہاں بھی دم سے ہی یہ فیض دیئے گئے۔

۴ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔	اور پھونکا جائے گا صور میں تو بیہوش ہو جائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں جس
۵ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ٥	دن پھونکا جاوے گا صور میں پس آؤ گے تم فوج در فوج ؂

معلوم ہوا۔ قیامت کے دن صُور میں پھونکا جاویگا۔ جس سے مردے زندہ ہوں گے۔ غرضیکہ ابتداء انتہا اور بقا ہمیشہ فیضِ دم سے ہوا۔ اور ہونا ہے اور ہوگا۔ اسی لئے آج بھی صوفیا قرآن کریم پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام بیماروں پر قرآن شریف پڑھ کر دم فرماتے تھے۔ کیونکہ جیسے پھولوں سے چھو کر ہوا میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جس زبان سے قرآن شریف پڑھا گیا ہو اس سے چھو کر جو ہوا آوے گی وہ شفا دے گی۔ اسی طرح تبرّکات سے شفا ملتی ہے۔ جیسا کہ اسی باب کے شروع میں آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر (۱۰)
سارے صحابہ برحق ہیں

قرآن کریم صحابہ کی حقانیت و صداقت کا اعلان فرما رہا ہے۔ فرماتا ہے۔

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) شک کی جگہ نہیں۔	۱. الٓمٓ، ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا۔ کہ قرآن میں کوئی شک و تردد نہیں۔ شک کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو بھیجنے والا غلطی کرے یا لانے والا غلطی کرے یا جس کے پاس آیا ہو وہ غلطی کرے یا جنہوں نے اس سے سن کر لوگوں کو پہنچایا انہوں نے دیانت سے کام نہ لیا ہو۔ اگر ان چاروں درجوں میں کلام محفوظ ہے۔ تو واقعی شک وشبہ کے لائق نہیں۔ قرآن شریف کا بھیجنے والا اللہ تعالےٰ۔ لانے والے حضرت جبریل علیہ السّلام، لینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم۔ اور حضور سے لے کر ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اگر قرآن شریف اللہ تعالےٰ، جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم تک تو محفوظ رہے۔ لیکن صحابہ کرام سچے نہ ہوں۔ اور ان کے ذریعہ قرآن ہم کو پہنچے۔ تو یقیناً قرآن میں شک پیدا ہو گیا۔ کیونکہ فاسق کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لاوے۔ تو تحقیق کر لیا کرو۔ اب قرآن کا بھی اعتبار نہ رہے گا۔ قرآن پر یقین جب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ صحابہ کرام کے تقوےٰ و دیانت پر یقین ہو۔

قرآن ہدایت ہے ان متقیوں کی جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ الخ	۲. هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (الآیۃ)

یعنی اے کافرو! جن پرہیزگاروں یعنی جماعت صحابہ کو تم دیکھ رہے ہو۔ انہیں قرآن نے ہی ہدایت دی۔ اور یہ لوگ قرآن ہی کی ہدایت سے ایسے اعلیٰ متقی بنے ہیں۔ قرآنِ کریم نے ہی ان کی کایا پلٹ دی۔ اگر قرآن کا کمال دیکھنا ہو تو ان صحابہ کرام کا تقویٰ دیکھو۔ اس آیت میں قرآن نے صحابہ کرام کے ایمان و تقویٰ کو اپنی حقانیت کی دلیل بنایا۔ اگر وہاں ایمان و تقویٰ نہ ہو تو قرآن کا دعوے بلا دلیل رہ گیا۔

۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنہوں نے رسول کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ وہ سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ؀

اس آیت میں صحابہ کرام، مہاجرین اور انصار کا نام لے کر انہیں سچا مومن، متقی اور مغفور فرمایا گیا۔

۴۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

ان فقیر ہجرت والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں۔ وہ ہی سچے ہیں ؀

اس آیت میں تمام مہاجر صحابہ کو نام و پتہ بتا کر سچا کہا گیا ہے یعنی یہ ایمان میں سچے، اعمال میں سچے اور اقوال کے پکے ہیں۔

۵۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ

اور وہ جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور

الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	ایمان میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کرکے آئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں بہت محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہ ہی کامیاب ہے ؎

اس آیت میں انصار مدینہ کو نام لے کر پتہ بنا کر کامیاب فرمایا گیا۔ معلوم ہوا۔ کہ سارے مہاجرین وانصار سچے اور کامیاب ہیں۔

۶ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی۔	تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے ؎

اس آیت نے بتایا۔ کہ سارے صحابہ سے رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ لیکن وہ خلفاء راشدین جو فتح مکہ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار رہے۔ وہ بہت بڑے درجہ والے ہیں۔ ان کے درجہ تک کسی کے وہم وگمان کی رسائی نہیں۔ کیونکہ رب تعالےٰ نے ساری دنیا کو قلیل یعنی تھوڑا فرمایا۔ اور اتنے بڑے عرش کو عظیم یعنی بڑا فرمایا۔ لیکن ان خلفاء راشدین کے درجہ کو چھوٹا نہ کہا۔ بڑا نہ فرمایا بلکہ اعظم یعنی بہت ہی بڑا فرمایا۔

۷۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ؕ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ؕ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ؕ

اور دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جاوے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ کفار نے حیرت سے کہا۔ کہ شاید حضرت بلال کا آپ پر کوئی احسان ہوگا۔ جس کا بدلہ ادا کرنے کیلئے آپ نے اتنی بڑی قیمت سے خرید کر آزاد کیا۔ ان کفار کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حسبِ ذیل خصوصی صفات بیان ہوئے۔ ان کا دوزخ سے بہت دور رہنا۔ ان کا سب سے بڑا متقی ہونا۔ یعنی اَتْقٰی انکا بےمثل سخی ہونا۔ ان کے اعمال طیبہ طاہرہ کا ریا سے پاک ہونا۔ خالص رب کے لئے ہونا اور جنت میں انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ایسی نعمتیں ملنا جس سے وہ راضی ہوجاویں

لطیفہ:۔ اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے فرمایا۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا۔ کہ آپ راضی ہوجاویں گے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لیئے فرمایا۔ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔ عنقریب صدیق راضی ہوجاویں گے۔ معلوم ہوا۔ کہ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قرب ہے۔

۹۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کی پیروی کرنیوالے یہ مومن کافی ہیں "

یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ حقیقتاً آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور عالم اسباب میں عمر کافی ہیں۔

۱۰ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الآیۃ)	جو صحابہ ان نبی کے ساتھی ہیں۔ وہ کافروں پر سخت آپس میں نرم ہیں۔
۱۱ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ (الآیۃ) اِلٰی ان قال: لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔	یہ جماعت صحابہ وہ ہیں جن کی مثال توریت وانجیل میں اس کھیت سے دی گئی ہے جس نے اپنا پٹھا نکالا۔ یہانتک کہ فرمایا تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے صحابہ کے نام کے ڈنکے ہم نے توریت و انجیل میں بجا دیئے۔ وہ تو میری ہری بھری کھیتی ہیں جنہیں دیکھ کر میں تو خوش ہوتا ہوں اور میرے دشمن رافضی جلتے ہیں۔

لطیفہ: قرآن کریم نے بعض لوگوں پر صاف صاف فتویٰ کفر دیا۔ ایک تو نبی کی توہین کرنے والے، اور دوسرے صحابہ کے دشمن۔ صحابہ کرام کے دشمنوں پر رب تعالیٰ نے کفر کا فتویٰ دیا۔ کسی اور سے نہ دلوایا۔

۱۲ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ ٥	ابوبکر دو میں کے دوسرے ہیں جبکہ وہ غار میں ہیں جب فرماتے تھے رسول اپنے ساتھی سے غم نہ کر۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری۔ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ جب غار میں یار کو لے کر بیٹھے اور مار سے اپنے کو کٹوایا۔ اس آیت نے ابوبکر صدیق کی صحابیت کا صراحتہً اعلان فرمایا۔ ان کی صحابیت ایسی ہی قطعی اور یقینی

ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ کیونکہ جس قرآن نے توحید ورسالت کا صراحتہً اعلان کیا اسی قرآن نے صدیق کی صحابیت کا ڈنکا بجایا۔ لہٰذا ان کی صحابیت وعدالت پر ایمان لانا ایسی ہی ضروری ہے جیسے اللہ تعالےٰ کی توحید پر ایمان لانا۔ اور ان کی صحابیت کا منکر ایسا ہی بے دین ہے جیسے توحید و نبوت کا منکر۔

۱۳۷ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	نہ سست پڑو تم لوگ نہ غمگین ہو اور تم ہی بلند ہو اگر تم سچے مومن ہو۔
۱۴۷ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا○	اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور جما دے گا ان کے لئے ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند کیا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

ان دو آیتوں میں مسلمانوں سے دو شرطوں پر چند وعدے کئے گئے ہیں۔ شرطیں ایمان اور تقویٰ کی ہیں۔ اُن سے وعدہ ہے۔ (۱) بلندی (۲) خلافت دینا (۳) خوف کے بعد امن بخشنا (۴) دین کو مضبوط کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے صحابہ کو بلندی بھی دی۔ زمین میں خلافت بھی بخشی۔ امن بھی عطا کیا۔ اور ان کے زمانہ میں دین کو ایسا مضبوط فرمایا۔ کہ آج اس مضبوطی کی وجہ سے اسلام قائم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دونوں شرطیں بھی پوری کیں اور وہ مومن بھی رہے اور پرہیزگار متقی بھی ورنہ انہیں یہ چار نعمتیں نہ دی جاتیں۔

یہ چند آیات بطورِ نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اُن حضرات کے فضائل میں ہیں اور کیوں نہ ہوں۔ یہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمال کا مظہر ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات رب تعالیٰ کے کمال کا نمونہ ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تنقیص رب تعالیٰ کے کمال کا انکار ہے۔ ایسے ہی ان انکار، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمال کا انکار ہے۔ استاد کا زور علمی شاگردوں کی لیاقت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر صفِ اوّل کی نماز فاسد ہو۔ تو پچھلی صفوں کی نماز درست نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ امام کو دیکھنے والی صف اوّل ہی ہے۔ اگر انجن کے پیچھے والا ڈبہ انجن سے کٹ کر رہ جائے تو پچھلے ڈبے کبھی سفر نہیں کر سکتے۔ وہ حضرات اسلام کی صفِ اوّل ہیں اور ہم آخری صفیں۔ وہ گاڑی کا اگلا ڈبہ ہیں ہم پچھلے۔ اگر وہ ایمان سے رہ گئے۔ تو ہم کیسے مومن ہوسکتے ہیں؟

اعتراض:۔ ان آیتوں کے نزول کے وقت تو یہ سب مومن تھے۔ مگر حضور کی وفات کے بعد خلافت کا حق چھین کر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی میراث تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے اسلام سے نکل گئے۔ یہ آیات اس وقت کی ہیں۔ بعد سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں:۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اگر خلفاء راشدین کا انجام اچھا نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے فضائل قرآن شریف میں بیان نہ فرماتا۔ نیز رب تعالیٰ نے ان مذکورہ آیتوں میں خبر دی کہ یہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے۔ ہم انہیں اتنا دیں گے کہ وہ راضی ہو جاویں گے۔ ہم نے ان سب سے جنت کا وعدہ کر لیا۔ یہ باتیں انجام بخیر سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ حضرات ایمان سے پھر گئے ہوتے تو اہل بیت اظہار خصوصًا

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہم ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وہ ہو سکتا ہے جو مومن متقی ہو۔ بلکہ جیسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صفین میں جنگ کی اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں جان دیدی۔ مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا۔ اس وقت بھی وہ جنگ کرتے ؛

تیسرے یہ کہ جیسے صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بعد ان کی خلافتیں میراث کے طور پر ان کی اولاد کو نہ ملیں۔ بلکہ جس پر سب کا اتفاق ہو گیا وہ خلیفہ ہو گیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلافت میں نہ میراث تھی نہ کسی کی ملکیت بلکہ رائے عامہ پر ہی انتخاب ہوا۔

چوتھے یہ کہ پیغمبر کی میراث مال نہیں۔ بلکہ علم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ۔ اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے علیہم السلام۔ اور فرمایا کہ ہم کو پرندوں کی بولی کا علم دیا گیا۔ دیکھو داؤد علیہ السلام کے بہت بیٹے تھے۔ مگر وارث صرف حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے اور مال کے نہیں بلکہ علم کے وارث ہوئے اسی لیئے نبی کی بیویاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی میراث نہ پا سکیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی میراث تقسیم نہ فرمائی۔

اعتراض۔ تم کہتے ہو۔ کہ سارے صحابہ متقی پرہیزگار ہیں حالانکہ قرآن شریف انہیں فاسق کہہ رہا ہے۔ فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔	اے مومنو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔

ولید بن عقبہ صحابی نے آکر خبر دی تھی کہ فلاں قوم نے زکوٰۃ نہ دی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ جس میں ولید صحابی کو فاسق کہا گیا اور فاسق متقی نہیں ہو سکتا۔

جواب - اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں ان کو فاسق نہ کہا گیا۔ بلکہ ایک قانون بیان کیا گیا کہ آئندہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیقات کر لیا کرو۔ دوسرے یہ کہ اُس خاص وقت میں اُن کو فاسق گنہگار کہا گیا۔ صحابی سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے وہ معصوم نہیں۔ ہاں اس پر قائم نہیں رہتے۔ توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔ جیسے حضرت ماعز سے زنا ہو گیا۔ مگر بعد میں ایسی توبہ نصیب ہوئی۔ کہ سبحان اللہ!

مسئلہ نمبر (۱۱)

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے

سارے مسلمانوں کا عقیدہ تھا اور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا۔ مگر اب موجودہ زمانہ میں قادیانیوں نے اس کا انکار کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض بھولے جاہل مسلمان بھی اس ظاہری مسئلہ کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے۔ کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں۔ حالانکہ قرآن شریف اس کا بہت زور شور سے اعلان فرما رہا ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنْ	بیشک عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ اسے مٹی سے بنایا۔ پھر اس سے فرمایا کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یہ حق ہے تمہارے رب

الْمُمْتَرِیْنَ ٥ | کی طرف سے تو تم شک والوں میں سے نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تشبیہہ دی کہ جیسے آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے۔ ایسے ہی آپ بھی۔ جب آدم علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو اے عیسائیو! عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کب ہو سکتے ہیں؟ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوتی تو انہیں آدم علیہ السلام سے تشبیہہ نہ دی جاتی۔

۱۔ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَ لِنَجْعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ٥ | مریم نے جبریل سے کہا۔ کہ میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں۔ فرمایا ایسے ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا۔ کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تاکہ بنائیں ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشان اور اپنی طرف سے رحمت

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے بیٹے ملنے کی خبر پر حیرت کی کہ بغیر مرد کے بیٹا کیسے پیدا ہوگا۔ اور انہیں رب کی طرف سے جواب ملا۔ کہ اس بچہ سے رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے لہٰذا ایسے ہی بغیر باپ کے ہوگا۔ اگر آپ کی پیدائش معمول کے مطابق تھی تو تعجب کے کیا معنی اور رب تعالیٰ کی نشانی کیسی؟

۳۔ فَاَتَتْ بِہٖ قَوْمَھَا تَحْمِلُہٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ | تو انہیں گود میں اپنی قوم کے پاس لائیں بولے اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

معلوم ہوا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے حضرت مریم کو بہتان لگایا۔ اگر آپ خاوند والی ہوتیں تو اس بہتان کی کیا وجہ ہوتی۔

۴ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا: قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ الخ	پھر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔ بچہ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں؛

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں ہی گویائی دی اور آپ نے خود اپنی ماں کی پاک دامنی اور رب تعالیٰ کی قدرت بیان فرمائی اگر آپ کی پیدائش باپ سے ہے تو اس معجزے اور گواہی کی ضرورت نہ تھی۔

۵ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ۔	عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا، اور رب کی طرف سے ایک روح؛

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو مریم کا بیٹا فرمایا۔ حالانکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف آپ کا اگر والد ہوتا تو آپکی نسبت اسی کی طرف ہونی چاہیئے تھی۔ نیز قرآن کریم نے کسی عورت کا نام نہ لیا۔ اور نہ کسی کی پیدائش کا واقعہ اس قدر تفصیل سے بیان فرمایا چونکہ آپ کی پیدائش عجیب طرح صرف ماں سے ہے۔ لہذا ان بی بی کا نام بھی لیا۔ اور واقعہ پیدائش پورے ایک رکوع میں بیان فرمایا۔ نیز انہیں کلمۃ اللہ اور اللہ کی روح فرمایا معلوم ہوا۔ کہ آپ کی پیدائش ایک کلمہ سے ہے۔ اور آپکی روح مافوق الاسباب آئی ہے۔

۶ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصَّالِحِينَ ۝	عیسے کلام کریں گے لوگوں سے پالنے سے اور پکی عمر میں اور خاص نیکوں میں ہوں گے؛

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بچپن اور بڑھاپے میں کلام کرنا ہے۔ بچپن میں کلام کرنا تو اس لئے معجزہ ہے کہ بچے اتنی عمر میں بولا نہیں کرتے اور بڑھاپے میں

کلام کرنا اس لیے معجزہ ہے کہ آپ بڑھاپے سے پہلے آسمان پر گئے اور وہاں سے آکر بوڑھے ہو کر کلام کریں گے۔

ان آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح آپ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر ہوا۔

اعتراض۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسان بلکہ سارے حیوانات کو نطفے سے پیدا فرماوے۔ اور قانون کی مخالفت ناممکن ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کا خلاف قانون پیدا ہونا غیر ممکن ہے۔ رب تعالیٰ صاف فرما رہا ہے۔

۱۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝	بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو ماں باپ کے مخلوط نطفے سے کہ ہم اسے آزمائیں پس ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنا دیا۔
۲۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔	اور وہی ہے جس نے پانی سے بنایا آدمی پھر اسکے رشتے اور سسرال مقرر کر دی۔
۳۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ	اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے۔
۴۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝	اور تم ہرگز اللہ کے قانون کو بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔
۵۔ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝	اور تم ہمارا قانون بدلتا ہوا نہ پاؤ گے۔

ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تمام انسان اور حیوانات کی پیدائش کا قانون یہ ہے کہ اس کی پیدائش نطفے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون میں تبدیلی ناممکن ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ مانی جائے۔ تو ان آیات کے خلاف ہوگا۔

جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر نطفے کے پیدا ہوئے۔ ہمارے سروں میں جوئیں، چارپائی میں کھٹمل،

پیٹ اور زخم میں کیڑے بغیر نطفے کے دن رات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ برسات میں کیڑے پھل میں جانور بغیر نطفے کے پیدا ہوتے ہیں۔ بتاؤ یہ قانون کے خلاف کیوں ہوا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء خود قانون الٰہی ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبی اور ولی پر حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوں۔ تو آپ کا بغیر باپ پیدا ہونا اس معجزے کے قانون کے ماتحت ہے تمہاری پیش کردہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے قانون میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔ اگر خالق خود کرے تو وہ قادر ہے۔ انسان کی پیدائش نطفے سے ہونا قانون ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر نطفے کے ہونا قدرت ہے ہم قانون کو بھی مانتے ہیں اور قدرت کو بھی۔ رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں۔ ہم پابند ہیں۔

دیکھو قانون یہ ہے کہ آگ جلادے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا۔ یہ قدرت ہے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ | ہم نے کہا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔

اسی طرح اور بہت سارے معجزات کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے۔ جو چاہے کرے۔ اس کی قدرتوں کا انکار کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو اس راستہ پر چلائے جو اس کے نیک بندوں کا ہے اور اس زمانہ کی ہواؤں سے ہمارا ایمان محفوظ رکھے۔ آمین! اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اٰمِیْن!

بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ط

ناچیز
احمد یار خاں
۵ ذیقعد ۱۳۷۱ھ یوم دوشنبہ مبارکہ

عنایت اللہ کاتب

بہ اہتمام حنفی پریس

"یہ کتاب ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ دوشنبہ کو شروع ہو کر ۵ ذیقعد
۱۳۷۱ھ دوشنبہ کو یعنی ایک ماہ بارہ دن میں اختتام کو پہنچی۔ جو کوئی اس سے
فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ گنہگار کے لئے حسنِ خاتمہ کی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے مجھے کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے۔
اور مجھ گنہگار کی مغفرت فرمادے۔ اسی لالچ میں یہ محنت کی ہے"

احمد یار خان

فہرست کتاب علم القرآن